بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیر سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۹ شمارہ ۹

ستمبر ۲۰۱۵ء

ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ — حق وصداقت کی کامیابی — مبارک حسین مصباحی — (۳)

تحقیقات

علمی تحقیقی — تحقیقی مقالے کے موضوع کا انتخاب اوراس کا خاکہ (قسط-۱) — پروفیسر خورشید احمد سعیدی — (۷)

فقہیات

آپ کے مسائل — کیا فرماتے ہیں....؟ — مفتی محمد نظام الدین رضوی — (۱۱)

نظریات

فکر امروز — تنقید برائے توقیر یا تنقید برائے تحقیر — ڈاکٹر ظہور احمد دانش — (۱۳)

اسلامیات

شعائر — قربانی-مسائل اور احتیاط — مولانا اظہار النبی حسینی — (۱۵)

سائنسی تحقیق — تخلیقِ انسان اور انسانی جسم (قسط-۲) — مہتاب پیامی — (۱۸)

شخصیات

انوارِ حیات — مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی (چھٹی قسط) — مبارک حسین مصباحی — (۲۲)

آئینۂ زندگی — حضرت صوفی داتا نداشاہ — مولانا محمد عادل — (۲۸)

سیاسیات

آئینۂ عالم — امریکہ میں اسلام کی برتری اور عیسائیت کی کمزوری — ڈاکٹر غلام زرقانی — (۳۲)

تاریخ وطن — تحریکِ خلافت اور تحریک ترکِ موالات (قسط-۲) — محمد حیدر رضا مصباحی — (۳۴)

بزم دانش

فکر و نظر — مدارسِ اسلامیہ نشانے پر — صابر رضا رہبر مصباحی/محمد طفیل احمد مصباحی — (۳۸)

ادبیات

نقد و نظر — بوستانِ آسی — مبصر: مہتاب پیامی — (۴۳)

خیابان حرم — منقبت — محمد سلمان رضا فریدی مصباحی — (۴۵)

وفیات

سفر آخرت — حضرت مفتی محمد یامین رضوی/ الحاج محمد عباس رضوی — (۴۶)

مکتوبات

صدائے بازگشت — محمد میکائیل ضیائی/محمد مبشر رضا ازہر مصباحی/سہیل انجم/ افتخار احمد مدنی/محمد اختر علی واجد القادری — (۴۸)

سرگرمیاں

عالمی خبریں — پریسٹن (انگلینڈ) میں سنی دعوتِ اسلامی کا بیسواں سالانہ اجتماع — (۵۱)

خیر و خبر — جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا جشن زریں/ ٹانڈہ میں جامعۃ المدینہ فیضان حافظِ ملت کا افتتاح/ پورن پور میں جشن یوم رضا — (۵۴)

اداریہ

حق وصداقت کی کامیابی

اسلام کے دامن میں دنیا کے بڑھتے قدم

امتِ مسلمہ کو بھی اپنے سچے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے

مبارک حسین مصباحی

آج ہم گفتگو کریں گے حق وصداقت کی سربلندی اور چوری ڈکیتی اور رہزنی کی حرمت وملامت پر، آج ملکی اور عالمی سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے اس کا بنیادی مقصد دولت، شہرت اور اقتدار کا حصول ہے، آج دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں مگر ان میں آسمانی اور سچا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے۔ اسلام کی آسمانی اور بنیادی کتاب "قرآن عظیم" ہے، اس کے بعد مستند ترین احادیث نبویہ کا ذخیرہ ہے، قرآن عظیم میں بار بار حق و صداقت کی تعلیم دی گئی ہے، ہم ان آیات سے استفادہ ذاتی مطالعہ پر چھوڑتے ہیں۔ احادیث کے ذخائر میں بھی حق وصداقت کی بھرپور دعوت و تبلیغ ہے۔ اس تعلق سے حسب ذیل روایت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

"حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے، آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق (سچا) بن جاتا ہے۔ اور جھوٹ بدی کا راستہ دکھاتا ہے اور بدی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت جھوٹ بولنے والا ہی لکھ دیا جاتا ہے۔" (بخاری کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۷۴۳)

اس حدیث پاک کا تیور بتا رہا ہے کہ صداقت شعاری اور حق گوئی ایک بندۂ مومن کو جنت میں لے جاتی ہے، جھوٹ اور بدگوئی ایک انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے، یعنی حق وباطل کا تعلق انسان کی زبان سے ہے، اسی کے ساتھ اب ہم ایک دوسری حدیث نقل کرتے ہیں۔

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جنت (میں لے جانے) والا عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سچ بولنا، جب آدمی سچ بولتا ہے تو وہ نیکی کرتا ہے اور جب وہ نیکی کرتا ہے تو گناہ سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور جب وہ گناہ سے محفوظ ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! دوزخ (میں لے جانے) والا عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ۔ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو وہ برائی کرتا ہے اور جب برائی کرتا ہے تو وہ کفر کرتا ہے اور جب کفر کرتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔" (مسند امام احمد بن حنبل، ۱۷۶/۲، حدیث نمبر ۶۶۴۱)

اس حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بنیادی نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ دنیا میں ہر اچھے کام کی بنیاد حق بیانی اور صداقت شعاری پر ہوتی ہے اور دنیا کی ہر برائی کا رشتہ کہیں نہ کہیں کذب بیانی اور ناحق شناسی سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ۸/ستمبر ۲۰۱۵ء کے اخبارات ہیں، ان میں جے پور کے تعلق سے ایک انتہائی حیرت انگیز خبر ہمارے سامنے ہے، اس خبر کے مرکزِ توجہ بننے کی بنیادی وجہ یہ بنی کہ اس وقت عالمی سطح پر مسلمانوں کو بدنام کرنے کی منظم کوششیں ہو رہی ہیں، حالاں کہ مسلمان ہونے کا واضح مطلب ہی یہی ہے کہ وہ حق پسند اور صداقت شعار ہے۔ یہی ایک سچے مسلمان کی شان ہے، اخبار کا عنوان ہے: "رکشہ چلانے والا عابد بنا ایمان داری کی مثال"۔

اب آپ اس حیرت انگیز عنوان کی تفصیل ملاحظہ کیجیے، عابد قریشی ایک نادار اور غریب مسلمان ہے۔ سو دو سو روپے دن بھر میں کما کر کسی طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کرتا ہے، کافی تنگ دستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اسے راستے میں ایک بیگ ملا جس میں ایک لاکھ سترہ ہزار روپے تھے، یہ شام چار بجے کی بات ہے۔ عابد قریشی کا بیان ہے کہ میں رات کو دس بجے تک بیگ کے مالک کا انتظار کرتا رہا، مگر افسوس کوئی متلاشی نہیں آیا، میں وہ رقم لے کر گھر آگیا، میری بیوی کا بھی یہی کہنا ہے کہ یہ رقم مالک کو لوٹا دو اور اگر مالک نہ مل سکے تو تھانے میں پولیس کے حوالے کر دو۔ صحافیوں نے جب میاں بیوی سے سوال کیا کہ اس رقم کو آپ لوگ اپنے پاس رکھ لیتے تو کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا، اس کے جواب میں عابد قریشی کی بیوی امینہ نے جواب دیا: کیوں رکھ لیتے، ہم نے ایسا سیکھا ہی نہیں، گم شدہ رقم کے بارے میں جو شرعی مسئلہ ہے ہم لوگ اسی پر عمل کریں گے، امینہ صاحبہ نے کہا، ہم ایمان داری کی چٹنی روٹی کھا

لیں گے، مگر ناجائز و حرام کی جانب ہم نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے، ہم اس رقم کو بہر صورت واپس کریں گے۔ عابد قریشی نے جب رقم پولیس کے حوالے کی تو جے پور کے کمشنر سرینواس بھی ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔

بد عنوانی، رہزنی اور چوری ڈکیتی کے ماحول میں ایسے واقعات کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے پولیس کے سامنے یہ بالکل پہلا واقعہ ہو، آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو بدنام کرنے والے ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر غور کریں، یہ ہیں سچے مسلمان جو ہر دور میں اپنی مثالیں قائم کرتے ہیں۔ یہ شخص رکشہ چلاتا ہے، انتہائی پریشان کن زندگی گزارتا ہے، اس کے ہاتھ ایک لمبی رقم لگی تو اس نے ناجائز طور پر خرچ کرنے کے بجائے وہ رقم پولیس کے حوالے کر دی، یہ واقعہ نہ صرف قابلِ تعریف ہے، بلکہ اس عہد بلا خیز میں انسانی دنیا کے لیے ایک اہم مثال ہے، عابد اور امینہ اس رقم کو اپنے مصارف میں استعمال کر سکتے تھے، اس دور میں رقم کی کس کو ضرورت نہیں، آج ہندوستانی دولت مندوں کے اربوں کھربوں روپے غیر ملکی بینکوں میں پڑے ہیں، نریندر مودی کے بار بار کے اعلان کے باوجود اب پھر انھیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ اور وہ اب اس کثیر رقم کو اپنے ملک لانے کی بات ہی بھول گئے ہیں۔ جے پور کے میاں بیوی نے اس رقم سے اپنے اپنے کام نہیں بنائے بلکہ صداقت و دیانت کا مظاہرہ کیا اور اسے پولیس کے سپرد کر دیا۔ اس رقم سے وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم کر سکتے تھے، بچوں کی شادی کر سکتے تھے، اور چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر سکتے تھے۔ مگر انھیں یہ ناجائز و حرام رقم استعمال کرنا منظور نہیں ہوا، ان کی نظر میں اس رقم پر ان کا کوئی شرعی حق نہیں تھا۔

ہم نے جب اس خبر کو پڑھا تو مسرت و شادمانی میں ڈوب گئے۔ آج ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب پر عیاں ہے۔ اسلام ایک سچا اور بین الاقوامی مذہب ہے۔ آج دنیا دولت کے حسن کی شیدائی ہے، دولت کے حصول کے لیے نت نئے طریقے استعمال کر رہی ہے، آج سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے، اس کے صحیح اور غلط دونوں رخ ہیں، مگر افسوس آج اس کے ذریعہ بہت سی برائیاں پروان چڑھ رہی ہیں۔ اب چوری ڈکیتی اور دوسروں کی جیبیں صاف کرنے کے لیے رات کا انتظار نہیں کیا جاتا، آج دن کے اجالے میں ہی سب کچھ ہو رہا ہے بلکہ حریص دنیا میں کچھ ایسے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں کہ لوگ خود اپنی دولت دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں۔

اس پس منظر میں ہمیں طریقت کے امام حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ یاد آ رہے ہیں، آپ بلند پایہ عارف باللہ اور عبادت و ریاضت میں یگانۂ روزگار تھے۔ صوفیائے کرام کی جماعت میں آپ کا مقام بڑا بلند و مشہور ہے۔ ابتدائی عمر میں آپ جرائم پیشہ تھے، مرو اور ماورد کے درمیان رہزنی کرتے تھے، آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ جس قافلے میں عورت ہوتی اس کے قریب نہیں جاتے، اور جس کے پاس مال کم ہوتا اس کو بھی نہیں چھیڑتے، مگر لٹے ہوئے لوگوں کے پاس کچھ مال ضرور چھوڑ دیتے۔ آپ کی طبیعت ہمیشہ اصلاح قبول کرنے کی طرف مائل رہتی تھی۔ آپ کی توبہ کا واقعہ بھی بڑا عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ ایک سوداگر مرو سے ماورد جا رہا تھا، مرو کے لوگوں نے سوداگر سے کہا، آپ اپنے ساتھ سرکاری حفاظتی دستہ لے لیں، کیوں کہ راستے میں فضیل رہزنی کرتا ہے۔ سوداگر نے جواب دیا کہ فضیل رہزنی کرتا ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی سچائی ہے کہ وہ راہ زن ہونے کے ساتھ رحم دل اور خدا ترس بھی ہے، اس کے باوجود سوداگر نے ایک خوش آواز قاری صاحب کو اجرت پر لے کر اونٹ پر بٹھا دیا اور سوداگر روانہ ہو گیا۔ محترم قاری صاحب راستے میں مسلسل تلاوت کرتے رہے اور اب وہ مقام آ گیا، جہاں راہ زن فضیل گھات لگا کر بیٹھے تھے۔ حسن اتفاق کہ قاری صاحب نے اس وقت یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

"اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ" (الحدید:۱۶)

کیا ابھی تک مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ وہ ذکرِ الٰہی اور حق کی طرف سے نازل کیے ہوئے احکام کے آگے اپنے دلوں کو جھکائیں۔

حضرت قاری صاحب اپنی پرکشش اور شیریں آواز سے کلامِ الٰہی کی تلاوت فرما رہے تھے، جب ان کی آواز راہ زن عیاض کے کانوں میں گونجی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کا پورا وجود لرز گیا۔ اس کلامِ الٰہی کے تیور نے راہ زن عیاض کے دل کا قبلہ درست کر دیا اور اس کے بعد دل و دماغ کی مکمل یکسوئی کے ساتھ اس نے توبہ کی اور راہ زنی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا سچا عہد کیا، اب تک انھوں نے جن حضرات اور جن قافلوں کے اموال و اسباب لوٹے تھے، تلاش کر کے ان کے چھینے ہوئے مال واپس کیے۔ ان سے اپنی دست درازیوں کی معافی مانگی اور ہر ممکن کوشش کر کے ان تمام حضرات کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ اب رہزنی کا کوچہ چھوڑ کر خانۂ کعبہ کی شاہ راہ پر چل پڑے۔ عرصہ دراز تک حرم محترم میں مقیم رہے، توبہ و استغفار اور عبادت و ریاضت میں

مصروف رہے۔ مکہ معظمہ میں شرفِ نیاز حاصل کرنے والے ملکی اور عالمی علما و مشائخ سے ملاقات کرتے رہے۔ آپ نے ان مشائخ کرام سے اپنی بے قرار آرزوؤں کی تسکین کے لیے بہت سی سعادتیں اور دعائیں حاصل کیں۔ خانۂ کعبہ اور دیگر مقامات مقدسہ سے بھی بے شمار برکات و حسنات حاصل کیے۔

خانۂ کعبہ سے ظاہری فراغت کے بعد آپ کوفہ تشریف لے گئے۔ یہاں بھی آپ نے علمائے کرام اور مشائخِ عظام سے فیوض و برکات کا اکتساب کیا، خاص طور پر امام المجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابرکت مجلس میں شرفِ نیاز حاصل کرتے رہے۔ ان سے کثیر روایات مروی ہیں جو علما اور محدثین کے درمیان خاصی مقبول و معروف ہیں۔

عارف باللہ بحرِ طریقت کے غواص بارگاہِ الٰہی کے مقبول ترین بزرگ حضرت شیخ ابو علی فضیل عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشق و عرفان میں بلند مقام رکھتے تھے۔ تصوف کے حقائق و معارف میں بڑی گہری گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کے سیکڑوں اقوال اہلِ علم اور اہلِ تصوف میں معروف ہیں۔ آپ کا مشہور ارشادِ گرامی ہے۔ "من عرف اللہ حق معرفتہ عبدہ بکل طاقتہ" جسے اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت حاصل ہو گئی، وہ اپنی مکمل بساط کے ساتھ اس کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

حضرت فضیل بن ربیع نے بیان کیا کہ ایک بار ہم خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ سفرِ حج کے لیے مکہ شریف گئے، ارکانِ حج کی ادائیگی کے بعد انھوں نے کہا، کیا یہاں کچھ اللہ والے ہیں، ان سے ملاقات کرنا چاہیے۔ ہم نے کہا: ہاں یہاں حضرت عبد الرزاق صنعانی ہیں۔ اُن سے دیر تک ملاقات کی، رخصت ہوتے وقت ہارون رشید نے کہا، ان سے معلوم کرو کہ ان پر کسی کا قرض تو نہیں ہے، ہم نے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: "ہاں" ہم نے ان پر عائد قرض ادا کیا۔ ہارون رشید نے پھر کہا کیا اور کوئی اللہ والا ہے، ہم نے جواب دیا، حضرت سفیان بن عیینہ ہیں، ان سے بھی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ ہارون رشید نے کہا ان سے بھی قرض کے بارے میں معلوم کرو، انھوں نے فرمایا: "ہاں" ہم نے ان کے بھی قرض کو ادا کیا۔ اس کے بعد ہارون رشید نے کہا: ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی کیا کوئی اور مردِ خدا ہے، ہمیں یاد آیا یہاں حضرت فضیل بن عیاض بھی رہتے ہیں، ہم ان سے ملاقات کے لیے گئے، وہ بالائی گوشے میں بیٹھے تلاوت قرآن فرما رہے تھے، ہم نے دستک دی، استفسار ہوا کون ہے، ہم نے کہا امیر المومنین آئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا "مالی و لا میر المومنین" مجھے امیر المومنین سے اور ان کو مجھ سے کیا کام۔ کچھ دیر تبادلۂ خیال کے بعد وہ نیچے اترے، دروازہ کھول دیا اور چراغ بجھا دیا اور ایک کونے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ مصافحہ کے وقت جب ہارون رشید کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے مس ہوا تو فرمایا: افسوس اتنا نرم و نازک ہاتھ دوزخ کی آگ میں جلے گا، اے کاش یہ ہاتھ عذاب سے محفوظ ہوتا۔ یہ سن کر ہارون رشید رونے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آنے کے بعد ہارون رشید نے کہا: اے حضرت فضیل مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: آپ کے باپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے اپنی قوم پر امیر بنا دیجیے، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے چچا میں نے تم کو تمھاری جان پر امیر بنا دیا، کیوں کہ ایک سانس اطاعت الٰہی میں گزرے، اس سے بہتر ہے کہ لوگ ایک ہزار برس تمھاری فرماں برداری کریں، اس لیے کہ قیامت کے دن امیری سے ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ہارون رشید نے پھر عرض کیا: اے فضیل کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ حضرت فضیل نے فرمایا: حضرت عمر بن عبد العزیز کو لوگوں نے خلافت پر فائز کرنا چاہا تو انھوں نے سالم بن عبد اللہ، رجاء بن حیاۃ اور محمد بن کعب قرظی کو بلایا اور ان سے فرمایا، لوگوں نے مجھے اس بلا اور مصیبت میں پھنسا دیا ہے، اب مجھے کیا تدبیر کرنا چاہیے، کیوں کہ امارت و حکومت کو میں بلا سمجھتا ہوں، اگرچہ لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے عمر بن عبد العزیز اگر آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن عذابِ الٰہی سے محفوظ رہیں تو مسلمان بزرگوں اور بوڑھوں کو اپنے باپ کی طرح جوانوں کو اپنے بھائیوں کی طرح اور بچوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں اور ان سب کے ساتھ وہی سلوک کیجیے جو خاندان کا سردار اپنے باپ، اپنے بھائیوں، فرزندوں اور دیگر اعیال کے ساتھ کرتا ہے۔

عارف باللہ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: اے امیر المومنین مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمھارا خوب صورت چہرہ دوزخ کی آگ میں جھلسا یا نہ جائے، اللہ تعالیٰ کا خوف کرو اور اس کا حق بہترین طریقے سے ادا کرو۔

ہارون رشید نے عرض کیا، کیا آپ پر کچھ قرض ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض نے جواب دیا، ہاں خدا کا قرض میری گردن پر ہے، وہ اس کی اطاعت و فرماں برداری ہے۔ میں فکر مند ہوں کہ اس کی وجہ سے میری گرفت نہ ہو جائے۔ ہارون رشید نے کہا: میری مراد لوگوں کا قرض ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، ہمارے پاس اپنی ضرورت کے مطابق بہت کچھ ہے اور مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ اس کے بعد ہارون رشید نے ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی آپ کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا، اسے آپ اپنی ضرورتوں پر خرچ فرمائیے۔ حضرت فضیل نے فرمایا: اے امیر المومنین میری نصیحتوں کا تم پر

کوئی اثر نہیں ہوا، اور ابھی تک ظلم واستبداد کی روش پر قائم ہو، میں تمھیں نجات کی راہ پر لاتا ہوں اور تم مجھے ابتلا و آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو، یہ سن کر ہارون رشید اور فضل بن ربیع دونوں رونے لگے، ہارون رشید نے کہا: اے فضل بن ربیع حضرت فضیل بن عیاض واقعی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے رسول ﷺ کے سچے عاشقِ صادق ہیں۔ دنیا کی تمام لذتیں ان کی نظر میں حقیر ہیں، اہلِ دنیا کی طرف بے رغبتی بھی اسی فکر و عمل کی دلیل ہے۔

ہماری اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے، اس کے تمام احکام حق اور سچ ہیں، آج دنیا بڑی تیزی کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کر رہی ہے، خاص طور پر مغربی ممالک بڑی تیزی سے اسلام کا مطالعہ کر رہے ہیں اور اسلام کی سچائیوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر رہے ہیں۔ سروے کے بعد یہ تمام حقائق سامنے آ رہے ہیں، اور جیسے جیسے اسلام کی مخالفت ہوگی، لوگوں کے دل و دماغ اسلام کی جانب جھکیں گے، یہ بھی ایک سچائی ہے کہ آج مردوں سے زیادہ عورتیں اسلام قبول کر رہی ہیں، ۸/ اگست ۲۰۱۵ء کی خبر ہے کہ جنتر منتر دہلی میں بیٹھ کر صوبہ ہریانہ کے ضلع حصار گاؤں بھگاڑا کے ۱۰۰/ دلتوں نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ حق و صداقت کا اجالا دن بہ دن پھیل رہا ہے۔

اس خبر کے پھیلتے ہی شدت پسند تنظیموں نے جنتر منتر پہنچ کر ہنگامہ آرائی کی، پہلے تو پولیس نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی، بعد میں انھیں تھانہ لے جایا گیا، پولیس مذہب تبدیل کرنے والوں کو بھی جبراً تھانہ لے گئی، جنتر منتر پر بڑی تعداد میں پولیس لگا دی گئی ہے۔ اس پورے معاملے کو کور کر رہے میڈیا کے لوگوں کے ساتھ بھی پولیس نے بدسلوکی کی، جنتر منتر پر تقریباً ڈیڑھ سال سے دھرنے پر بیٹھے ان دلتوں نے آج باضابطہ مذہب تبدیل کر لیا۔ مہرولی کے امام صاحب نے انھیں کلمہ پڑھایا اور اسی دن انھوں نے باضابطہ باجماعت نماز ظہر ادا کی۔ یہ خبر جب آگ کی طرح پھیلی تو جنتر منتر پر شدت پسند تنظیموں کے ایک درجن کارکنان پہنچے اور پولیس کی موجودگی میں ہنگامہ آرائی کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ گاؤں کے لوگوں سے زبردستی مذہب تبدیل کروایا گیا ہے۔ پولیس افسر نے کہا کہ ہم نے گاؤں کے لوگوں سے پہلے ہی بات کر لی ہے، ان لوگوں کا صاف کہنا ہے کہ ہم نے کسی دباؤ اور لالچ میں مذہب تبدیل نہیں کیا ہے۔ بھگوا لوگوں نے کہا کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں جبراً مذہب تبدیل کرایا گیا ہے۔ آپ لوگوں سے جس نے کہا ہے، اسے ہمارے سامنے لاؤ، مگر وہ کسی کو پیش نہیں کر سکے۔ پولیس ان سبھی کو لے کر پارلیمنٹ تھانہ لے گئی۔

دلتوں سے بات چیت کرتے ہوئے نمائندہ نے سوال کیا کہ کیا آپ لوگوں نے اپنی مرضی سے مذہب اسلام قبول کیا ہے تو سبھی لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا: جی ہاں۔ نمائندہ نے کہا کہ اگر کل آپ لوگوں کے مطالبات تسلیم کر لیے جائیں، خاطیوں کو سزا مل جائے اور عزت کے ساتھ آپ کو گاؤں واپس بلا لیا جائے، پھر بھی مسلمان رہیں گے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ہم نے اسلام اس لیے قبول نہیں کیا ہے کہ ہمارے مطالبات پورے کیے جائیں، بلکہ گاؤں میں ہمارے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہوئی، اس سے تنگ آکر مذہب تبدیل کیا۔ ان میں سے ایک ودھیا رتن نے روتے ہوئے اپنی روداد سنائی۔ انھوں نے کہا کہ گاؤں میں ہماری زمین چھین لی گئی، اس کی شکایت پولیس میں کی گئی تو ہمارے ہی اوپر وطن کی غداری کا مقدمہ لگا دیا گیا۔ انھوں نے الزام لگایا کہ عدالتوں میں بھی ہمارے ساتھ برا سلوک ہوا اور کہا گیا کہ تم لوگ دلت ہو اس لیے تمھیں کوئی حق نہیں ملے گا۔

انھوں نے مزید کہا کہ اگر ہم گاؤں میں نائی کے پاس بال کٹوانے گئے تو ہمارے اوپر ۱۱۰۰/ روپے کا جرمانہ لگایا گیا۔ ہماری خواتین کی اجتماعی آبروریزی کی گئی، آج اس ملک میں مور کو عزت دی جاتی ہے، جانوروں کو بھی پیار کیا جاتا ہے، مگر ہمیں جانوروں سے بھی بدتر سمجھا گیا، مندروں میں جانے پر پابندی عائد کی گئی۔ ودھیا رتن اپنی روداد سناتے ہوئے جذباتی ہو گئے اور روتے ہوئے کہا کہ آج ہم نے اسلام قبول کر لیا تو سارے لوگ ہمارے پاس آ رہے ہیں، اس سے قبل کسی نے ہماری خبر نہیں لی۔ یہ ہم لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ اس ملک میں ہماری حکومت ہے اور کسی کو مذہب تبدیل کرنے نہیں دیں گے۔ اس معاملے کو کور کر رہے میڈیا کے لوگوں سے افسر نے کہا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ میری ویڈیو مت بناؤ۔ میڈیا نے کہا کہ ہمارے پاس پی آئی بی کارڈ ہیں۔ افسر نے کہا کہ یہ کارڈ بھی ہم لوگ ایشو کرتے ہیں، صرف رپورٹنگ کرو، ویڈیو مت بناؤ۔ کافی دیر جھک جھک کے بعد پولیس چلی گئی۔ دوسری جانب تھانہ میں بیٹھے عبد الرزاق نے بتایا کہ پولیس نے شدت پسندوں کو تھوڑی دیر بعد چھوڑ دیا، مگر ہم لوگ ابھی تک بیٹھے ہیں۔ پولیس نے مسلم نوجوانوں کے ساتھ مار پیٹ کی اور کہا کہ تم نے اسلام کیوں قبول کیا۔ اگر پاکستان میں کوئی ہندو بن جائے تو کیا کرو گے؟ عبد الرزاق نے بتایا کہ پولیس جانب دارانہ کارروائی کر رہی ہے۔

خیر یہ ایک سچائی ہے کہ حق و صداقت کی سربلندی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی جانب سے مقدر ہو چکی ہے، آج دنیا حق و صداقت کو ناکام بنانے کی کوشش میں لگی ہے، مگر دنیا کی ہر باطل کامیابی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتی ہے، انشاء اللہ آج نہیں تو کل انھیں اس کا سیاہ نتیجہ دیکھنے کو ملے گا۔ ☆☆☆

تحقیقی مقالے کے موضوع کا انتخاب اور اس کا خاکہ

علوم اسلامیہ و عربیہ کے طلبہ کے لیے جدید رہنما اُصول اور طریقے

پروفیسر خورشید احمد سعیدی

تنظیم المدارس پاکستان سے ملحق اور اُس کے نصاب تعلیم کے تحت تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دینے والے فوقانی مدارس کی ایک قابلِ ستائش خوبی یہ ہے کہ اُن کے طلبہ آخری درجہ میں کسی تحقیق طلب موضوع پر مقالہ لکھتے ہیں۔ اِس سے ایک طرف اُس موضوع پر اُن کے علم میں وسعت آتی ہے تو دوسری طرف تصنیف و تالیف کی صلاحیت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ تحقیق و تفتیش و تدقیق کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اس علمی مشق سے گزرنے کے بعد وہ عملی زندگی میں مسائل کا جواب بہتر انداز میں دینے کے لیے آسانی محسوس کرتے ہیں۔

گزشتہ دس بارہ سال کے عرصہ کے دوران اِن مقالات کے موضوعات تجویز کرنے اور پھر تکمیل شدہ مقالات کی چیکنگ کے تجربہ سے ایسے اُمور سامنے آئے ہیں جن میں بہتری کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ علوم اسلامیہ و عربیہ کے لیے موجودہ نظام تعلیم و تربیت ایسا ہے کہ اُن کے طلبہ کی ایک بھاری اکثریت میں اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان خود منتخب کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اور وہ بعض طلبہ جو اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان خود منتخب کر سکتے ہیں وہ تحقیق کے ابتدائی مراحل کا مناسب علم نہ ہونے کی وجہ سے ایک قابل تعریف مقالہ تیار نہیں کر سکتے۔ یہ صورت حال صرف دینی مدارس کے طلبہ تک محدود نہیں، یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کی اچھی خاصی تعداد کا بھی یہی حال ہے۔ اِس لیے زیرِ نظر صفحات میں انتخاب موضوع کے طریقے اور اُس کے خاکہ کی تیاری کے اُصول واضح کیے گئے ہیں تاکہ تعلیم و تربیت کے اِس مرحلے کے ضرورت مند طلبہ و طالبات اِس سے استفادہ کریں اور اپنی مشکلات آسان کر سکیں۔

تحقیق کے میدان اور موضوع کی نوعیت:

قابلِ تحقیق موضوع کے انتخاب سے پہلے اُس کی نوعیت اور طبیعت کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ آپ کس قسم کے موضوع میں رغبت رکھتے ہیں؟ کس علم یا فن میں آپ کی طبیعت کا میلان پایا جاتا ہے؟ آپ کے نزدیک کس شعبۂ زندگی میں تحقیق کرنی چاہیے؟ ذاتی اور شخصی ترجیح کے باوجود یہ بات پیش نظر اور ذہن نشین رہے کہ طلبہ کو ابتدا سے کیا علوم پڑھائے گئے ہیں کیوں کہ تعلیم و تربیت کے مختلف درجات کے نصاب میں جو کچھ انہیں سکھایا گیا اُس سے باہر کوئی موضوع منتخب کر کے اُس پر مقالہ لکھنا بہت مشکل اور شاید ناممکن ہو گا۔

علوم اسلامیہ و عربیہ کے موجودہ اور مروّج نصاب تعلیم میں عموماً جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں ان میں (۱) تفسیر، (۲) علم اصول التفسیر، (۳) حدیث، (۴) علم اصول حدیث، (۵) سیرت، (۶) عربی ادب، (۷) علم اصول الفقہ، (۸) علم البلاغت، (۹) علم التاریخ، (۱۰) علم التجوید، (۱۱) علم الصرف، (۱۲) علم العقائد، (۱۳) علم الفرائض، (۱۴) علم الفقہ، (۱۵) علم الکلام، (۱۶) فن المناظرہ، (۱۷) علم المنطق، (۱۸) علم النحو، اور (۱۹) فلسفہ شامل ہیں۔

دوران تعلیم انہی علوم و فنون پر زیادہ توجہ رہتی ہے اور طلبہ انہی سے متعلقہ مصادر و مراجع سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ تاریخ کے وسیع و عریض دامن میں پھیلے یہ علوم و فنون اپنے اپنے دائرے میں مزید شعبوں میں بھی تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح اِن علوم و فنون کا ایک طرف ماضی ہے تو دوسری طرف معاصر رُجحانات بھی ہیں۔ اِس لیے ایک مقالہ نویس کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ اِن علوم میں سے کس میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے؟ وہ اِن علوم و فنون کے کس شعبے میں تحقیق کرنے کا میلان اپنے اندر پاتا ہے؟ کیا وہ اِن علوم کے تاریخی پہلو اور ماضی کی تحقیقات میں تحقیق کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے یا کہ اُن کے معاصر رُجحانات میں سے کسی کو اپنی تحقیق کا میدان بنانا چاہتا ہے؟ موضوع کے انتخاب میں یہ ابتدائی قدم شمار کیا جاتا ہے جسے سوچ سمجھ کر اُٹھانے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔

علوم اسلامیہ و عربیہ میں تحقیق کے حوالے سے ایک اہم میدان اور بھی ہے۔ اہل علم اور اصحابِ فکر و دانش جانتے ہیں کہ علوم اسلامیہ و عربیہ کا مطالعہ مسلمانوں کے علاوہ دُنیا کی کئی غیر اقوام نے بھی کیا ہے۔ خصوصاً یورپی اور امریکی ممالک میں رہنے والے یہود و نصارٰی نے تو علوم اسلامیہ و عربیہ پر اپنی تحقیقات سے کتب خانوں کو بھر دیا ہے۔ اِس سلسلے

شعبہ تقابل ادیان، کلیۃ اصول الدین، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
khursheedsaeedi2010@gmail.com

میں اُن کے اپنے اغراض ومقاصد، تغیر پذیر اہداف اور متنوع مناہج تحقیق ہیں۔ علوم اسلامیہ و عربیہ میں جس طرح انہوں نے ماضی میں ہزاروں کتب لکھیں اسی طرح آج بھی وہ مسلمان فرقوں، مدارس دینیہ، بین المسالک روابط اور بین المذاہب تعلقات، اور معاشرت و سیاست مسلمین پر تسلسل سے مطالعے کرتے؛ سیمینارز اور کانفرنسیں منعقد کرتے؛ اور اپنی ترقی اور غلبے کی بقا کے لیے پالیسیاں وضع کرتے ہیں۔ اِس طرح کی بعض کاوشوں کو استشراق کا نام بھی دیا جاتا ہے جس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آج کے مسلمان کو اِس طرف توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اِس لیے علوم اسلامیہ وعربیہ کے طلباء چاہیں تو اپنے تحقیقی مقالہ کا موضوع اس میدان سے بھی منتخب کر سکتے ہیں۔

ایک اور لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ موضوع کی نوعیت اور طبیعت کبھی انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی بھی۔ مثلاً مذکورہ علوم وفنون میں سے کسی ایک میں مشہور امام یا شخصیت کی خدمات اور تفردات پر تحقیق کرنا موضوع کی انفرادی طبیعت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اگر اِن علوم وفنون کے متعدّد آئمہ یا شخصیات کی آراء، اقوال، مذاہب یا خدمات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ موضوع میں وسعت اور اُس کی اجتماعی طبیعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک مقالہ نویس اپنے اغراض ومقاصد کے پیش نظر اس قسم کا موضوع بھی منتخب کر سکتا ہے۔

علوم اسلامیہ و عربیہ کے طلباء جو نصاب پڑھتے ہیں اُس میں شامل موضوعات کو عقائد، عبادات، معاملات، اور اخلاقیات کے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اُن علوم کی دو قسمیں علوم آلیہ اور علوم عالیہ کے لحاظ سے بھی کی جاتی ہیں۔ اس تناظر میں بھی موضوع کی نوعیت اور طبیعت سمجھی جا سکتی ہے۔ ایک مقالہ نویس اپنی ترجیحات اور میلانات کے پیش نظر نصاب کے اس شعبہ سے موضوع کا انتخاب کر سکتا ہے۔ جو طالب علم مستقبل میں وسیع میدان میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتا ہو تو اُسے معاملات اور اخلاقیات سے جڑے موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے۔

موضوعِ تحقیق انسانی زندگی اور معاشرے کے کسی نہ کسی شعبے یا مسئلے سے جڑا ہوتا ہے۔ اِس لیے موضوع کو منتخب کرنے کے لیے ایک شعبۂ زندگی پر بھی توجہ مرکوز کی جا سکتی ہے۔ مثلاً سیاست و قانون، معیشت و اقتصادیات، نظام معاشرت و خاندان، ادیان و مذاہب، مکالمہ بین المذاہب، نظام تعلیم و تربیت، تعلقاتِ عامہ، بین الممالک والملل روابط، تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب، مختلف مذہبی و غیر مذہبی تحریکات، فیکٹریوں اور انڈسٹریوں کا نظام، نظام زراعت و باغبانی، نظام عدل و انصاف، نظام انتظام وانصرام، وغیرہ۔ دِین اسلام چونکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے اِس لیے علوم اسلامیہ کے ایک مقالہ نویس کا پہلا قدم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انسانی زندگی اور معاشرے کے اِن پہلوؤں اور شعبوں میں تخصص کے لیے کسی مناسب و متعلق مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیے ایک قابل تحقیق موضوع کا انتخاب کرے۔

انتخابِ موضوع کے وسائل اور طریقے:

مقالہ نویسی کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ ایک قابل تحقیق موضوع کا انتخاب ہے۔ لہٰذا تحقیق کے لیے ایک اچھا موضوع کیسے منتخب کیا جائے؟ موضوع چاہے انفرادی نوعیت کا ہو یا اجتماعی؛ وہ چاہے اُن علوم وفنون میں سے نکلا ہو جو کسی طالب علم کو اُس کی مادرِ علمی نے سکھائے یا اُن سے باہر کا ہو؛ وہ چاہے انسانی زندگی اور قومی یا بین الاقوامی معاشرے کے کسی شعبے سے جڑا ہو، کچھ بھی ہو یہ ایک انتہائی سنجیدگی سے کرنے والا کام ہے۔ سوال یہ ہے کہ اُس تک کیسے پہنچا جائے؟ اُسے کیسے دریافت کیا جائے؟ یہ کام دراصل انتخاب موضوع سے پہلے کرنا پڑتا ہے اور موضوع پر عملاً تحقیقی کام شروع کرنے سے کئی سال یا کئی ماہ پہلے کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل طریقے انتخابِ موضوع میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

جس طالب علم یا محقق نے تحقیقی مقالہ لکھنا ہوتا ہے وہ مختلف ذاتی کتب خانوں اور عوامی لائبریریوں میں نہ صرف آمد رفت رکھتا ہے بلکہ وہاں مہیا کیے گئے مختلف دائرہ معارف، انسائیکلوپیڈیا، معاجم، قوامیس، ڈکشنریوں، کتب، رسائل، اخبارات، مخطوطات، اشاریہ جات، وغیرہ سے شناسائی پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک انتہائی مفید مشورہ یہ ہے کہ اُن لائبریریوں کے سربراہان بالخصوص لائبریرین سے مخلصانہ دوستی بنانا چاہیے کیوں کہ اس سے بہت سی مشکلات حل ہوتی ہیں اور کئی پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔

مختلف کتب خانوں اور لائبریریوں میں دستیاب کتب کی فہرست آج کل انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن بھی مل جاتی ہے۔ مثلاً ہر پاکستانی یونیورسٹی کا ویب سائٹ ایڈریس اور اُن سب کی فہرست ایک جگہ دیکھنا چاہیں تو یہ آپ کو ہائر ایجوکشن کمیشن (HEC) کی ویب سائٹ (www.hec.gov.pk/OurInstitutes/Pages/Default.aspx) پر مل سکتے ہیں۔ وہاں سے جس یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر جائیں گے وہاں اُس کی

لائبریری کا کیٹالاگ (OPAC) آن لائن ملے گا۔اُس کیٹالاگ میں تلاش کے ذریعے اپنی ضرورت کی کتب اردو، عربی اور انگریزی وغیرہ زبانوں میں تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ تلاش کتاب کے نام سے اور مصنف کے نام سے بھی کر سکتے ہیں۔لہٰذا ایک طالب علم اگر انٹرنیٹ کو استعمال کرنے کا فن سیکھ لے تو اپنے گھر یا اپنے ادارے میں بیٹھے بیٹھے معلوم کر سکتا ہے کہ اُس کی دلچسپی کی کتاب کس لائبریری میں مل سکتی ہے۔ اِسی غرض سے حکومتِ پاکستان نے آج کل لائق اور قابل تعریف نتائج دکھانے والے طلبہ کو لیپ ٹاپ کمپیوٹر دینے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے تاکہ محنت کرنے اور تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں اور وہ کم وقت میں ملکی ترقی کے کام کر سکیں۔

ہائر ایجوکشن کمیشن پاکستان کی ایک اور ویب سائٹ ایسی بھی ہے جس پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تکمیل شدہ مقالہ جات دستیاب ہیں (http://eprints.hec.gov.pk/view/subjects/g18.html)۔ اُن کے کسی ایک باب کو یا پورے مقالہ کو ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔اُن کے مطالعے سے ایک مقالہ نویس مختلف قسم کے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

اپنے تحقیقی مقالہ کے موضوع کو منتخب کرنے کے لیے عوامی لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں کے علاوہ مدارس اور جامعات کے اندر تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور سکالرز سے ملاقاتیں اور مشورے کرکے بھی اپنی پسند کا موضوع منتخب کیا جا سکتا ہے، بالخصوص ایسے پروفیسر جو کسی تحقیقی ادارے میں کام کرتے ہوں یا ایم اے، ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح کے مقالہ جات کی نگرانی کرتے ہوں وہ چونکہ عملاً تحقیقی کام میں مشغول ہوتے ہیں اس لیے وہ بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ایسے اہل علم سے ملاقاتیں قابل تحقیق موضوع کے انتخاب میں بہت مفید ہوتی ہیں۔علوم عربیہ واسلامیہ سے منسلک علماء اور محققین پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر میں ملتے ہیں اور وہ تحقیقی کام کرنے والے طلبہ کو نہ صرف اپنا قیمتی وقت دیتے ہیں بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ایسی ملاقاتوں میں تحقیقی مزاج رکھنے والے طلبہ کی جو فکری تراش وخراش اور تہذیب ہوتی ہے اُس سے اپنی پسند کے موضوع کو منتخب کرنے اور اُس کے مختلف گوشوں کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔اُن کے پاس جب جائیں تو ڈائری اور قلم سنبھال کر ادب واحترام سے بیٹھیں؛ مطلب کے سوالات پوچھیں اور ضروری باتیں لکھتے جائیں۔

دُنیا بھر کی طرح پاکستانی یونیورسٹیوں اور بڑے شہروں کے مختلف اداروں میں وقتاً فوقتاً کئی موضوعات پر علمی و تحقیقی سیمینار اور کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں۔ اُن میں شرکت کرنے سے موضوع کی تلاش میں سرگراں طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔وہ ایسے سیمینارز اور کانفرنسوں میں نہ صِرف مختلف علوم وفنون کے جدید مسائل اور پہلوؤں سے واقف ہو سکتے ہیں بلکہ اُن میں اپنے مقالات پڑھنے والے محققین سے شناسائی بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہاں اُن سے ملاقات اور دلچسپی کے موضوع پر مشورہ کرنا آسان ہوتا ہے۔اُن سے روابط بعد میں ضرورت کے اوقات میں بہت فائدہ دیتے ہیں۔اس لیے وقتاً فوقتاً پاکستانی یونیورسٹیوں کی ویب سائٹوں کو دیکھتے رہنا چاہیے۔ وہاں منعقد ہونے والے سیمینارز اور کانفرنسوں کے اعلان، موضوعات اور انعقاد کی تاریخوں کی تفصیل دی ہوتی ہے۔ وقت نکال کر اُن میں شرکت کرنی چاہیے۔اِس سے دلچسپی کے موضوع پر معلومات کو وسیع کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

ایک ویب سائٹ(www.conferencealerts.com)ایک سال کے دوران دنیا میں کسی بھی ملک میں ہونے والی اہم کانفرنسوں کی اطلاع اور بنیادی معلومات بہت پہلے مہیا کرتی ہے۔ بہت سے ادارے اپنے سیمینارز اور کانفرنسوں کا ویڈیو ریکاڈ بھی تیار کرتے ہیں ۔اُن میں سے بعض اُن ویڈیوز کو انٹرنیٹ پر بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم اُن سیمینارز میں کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکا ہو تو وہ اُن ویڈیوز سے استفادہ کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اکثر ٹی وی چینلز پر دینی، علمی اور تحقیقی پروگرام، مذاکرے اور مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں خبریں مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بہت سے قومی و بین الاقوامی اخبارات ورسائل نے محققین کے استفادے کے لیے گزشتہ کئی سالوں کے اخبار ورسائل "آرکائیو" یا "گزشتہ شمارے" کے نام سے آن لائن مہیا کیے ہیں۔ اُن سے واقفیت اور شناسائی مناسب موضوع کے انتخاب میں بہت فائدہ دیتی ہے۔

اسی طرح بہت رسائل ایسے ہیں جن کے مدیروں نے اُن کے اشاریے مرتب کرکے شائع کیے ہیں۔ مثلاً ادارہ تحقیقات اسلامی نزد فیصل مسجد اسلام آباد نے اپنے علمی مجلے "فکر ونظر" کا اشاریہ غالباً تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔ماہنامہ "فقہ اسلامی" کراچی کے مدیر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز نے اپنے اس فقہی مجلے کا اشاریہ شائع کیا ہے؛ ماہنامہ ضیائے حرم کا بھی ایک ضخیم اشاریہ شائع ہو چکا ہے۔بصیر پور اوکاڑہ سے شائع ہونے والا ایک وقیع مجلہ "نور الحبیب" بھی ہے۔ اس میں شائع ہونے والے

مضامین کا اشاریہ سال کے آخری مجلے میں شائع کیا جاتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ نے اپنے ہاں ۱۹۵۲ء سے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی فہرست کتابی شکل میں شائع کی ہے جس میں وقتاً فوقتاً اضافہ کیا جاتا ہے۔ شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے بھی وہاں لکھے گئے مقالات کی فہرست ایک کتابچے کی صورت میں شائع کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی تعلیمی ادارے اور مجلات ایسے ہیں جن کے اشاریے شائع ہوئے ہیں۔ اِن کے مطالعے سے ایک مقالہ نویس تحقیقی موضوعات اور محققین کے رجحانات سے واقف ہو کر اپنے لیے ایک مناسب موضوع منتخب کر سکتا ہے۔

اِس سارے عمل اور سرگرمیوں کے دوران یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو تمام نبیوں اور رسولوں کا سید و سردار بنانے کے باوجود بھی آپ کو حکم دیا کہ وہ "رب زدنی علما" کی دُعا کیا کریں۔ اگر تمام نبیوں اور رسولوں سے زیادہ علم رکھنے والے ہمارے آقا کو رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو اُن کے وارث علما کو حصول علم اور زیادتی معلومات کے لیے اپنی ذمہ داری پہچانی چاہیے۔

موضوع کا خاکہ اور اُس کی اہمیت :

ایک محقق کسی نہ کسی طریقے سے جب قابلِ تحقیق موضوع منتخب کر لیتا ہے تو اُس کا اگلا قدم اُس موضوع کا ایک علمی خاکہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ قابل قدر مقالہ مقررہ مدت کے اندر مکمل کرنا ایک محقق کی منزل ہے تو اُس موضوع کا خاکہ جسے عربی میں خطۃ البحث اور انگریزی میں (Synopsis) کہتے ہیں اُس منزل تک کامیابی سے پہنچنے کا راستہ ہے۔ جس مسافر کو اپنی منزل کے راستے کا علم نہ ہو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا؛ جو مسافر اپنی منزل کے راستے کو اچھی طرح نہ جانتا ہو وہ دوران سفر کبھی بھولتا ہے، کبھی بھٹکتا ہے، مناسب سواری کی معرفت یا پہچان نہ ہونے کی وجہ سے وہ کبھی آگے کی بجائے پیچھے چلا جاتا ہے اور اس طرح کئی قسم کی پریشانیوں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ یہی حال اُس مقالہ نویس کا ہوتا ہے جس کے تحقیقی مقالے کا خاکہ اچھی طرح واضح نہ ہو۔

کسی موضوع پر ایک مناسب خاکہ کے بغیر کام شروع کرنا ایسا ہے جیسے کسی سوچے سمجھے اور مناسب و معقول نقشے کے بغیر مکان کی تعمیر شروع کر دینا۔ اگر کوئی معمار اصل لمبائی، چوڑائی، موٹائی، اونچائی اور استعمال ہونے مواد کی اصلیت یا پختگی جانے بغیر دریا پر پُل تعمیر کرنا شروع کر دے تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ایک تحقیقی مقالہ نویس کا ہو سکتا ہے جو ایک واضح خاکہ کے بغیر کام شروع کر دیتا ہے۔ میرے پاس مدارس کے طلباء کے علاوہ مختلف جامعات کے ایم فل اور پی ایچ ڈی سکالرز مشورے کے لیے تقریباً ہر ماہ آتے ہیں۔ میں جب اُن کا خاکہ دیکھتا ہوں اور اُن سے چند ایک متعلقہ سوال پوچھتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ ابھی تک انہوں نے اپنے کام کو پہچانا ہی نہیں۔ اُنھیں یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ انہیں کرنا کیا ہے؟ کتنا کرنا ہے؟ کیوں کرنا ہے؟ کب کرنا ہے؟ اور کیسے کرنا ہے؟ ایسے تجربات کی بنا پر درج ذیل میں قابل تحقیق موضوع کے علمی خاکہ کی تیاری، اُس کے عناصر اور اُن کی وضاحت پیش کی جاتی ہے تاکہ بحث و تحقیق کے دوران کوئی بڑی اُلجھن پیش نہ آئے۔

خاکہ کے عناصر عشرہ:

منتخب موضوع پر علمی انداز میں اور بغیر کسی فکری یا ذہنی انتشار کے تحقیقی کام کرنے کے لیے موضوع کا خاکہ درج ذیل دس عناصر میں تیار کرنا چاہیے۔ اِس سے ایک طرف خود محقق پر اُس کا کام بالکل واضح ہوتا ہے تو دوسری طرف اُس موضوع پر مناسب مشورہ دینے والے کے لیے بھی بڑی آسانی ہوتی ہے کہ وہ محقق کو کیا بتائے اور کیا نہ بتائے۔ اِس طرح دونوں کا وقت بچتا ہے؛ ملاقات بامعنی ہوجاتی ہے اور مقالہ پر کام لازماً آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے درج ذیل میں بیان کیے گئے ہر عنصر کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔

(ا) موضوع کا تعارف: خاکہ کا سب سے پہلا عنصر موضوع کا تعارف ہے۔ مقالہ نویس اپنے منتخب موضوع پر کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ اُس کے کس پہلو کو زیر تحقیق لانا چاہتا ہے؟ موضوع کا کونسا مسئلہ تحقیق طلب ہے؟ وغیرہ۔ اِس قسم کے سوالات کا جواب جب تک محقق صفحۂ قرطاس پر نہ لائے نہ تو خود اُس پر کام کی جہت، وُسعت اور گہرائی واضح ہوتی ہے اور نہ موضوع منظور کرنے والے بورڈ پر اور نہ ہی کسی مشورہ دینے والے پر۔ اِس لیے مقالہ نویس کو اپنے موضوع کو متعارف کروانے کے لیے کم از کم دو مناسب پیراگراف میں موضوع کا عمومی اور خصوصی تعارف کروانا چاہیے۔ عمومی پہلو میں یہ بتایا جائے کہ یہ موضوع علوم و فنون کے وسیع تناظر میں کیا معنی و مفہوم رکھتا ہے۔ اور خصوصی پہلو میں یہ بتایا جائے کہ یہ محقق یا مقالہ نویس موضوع کے کس پہلو میں کیا مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقالہ میں وسیع و عریض موضوع کے کس مسئلے کو زیر بحث لایا جائے گا۔............................(جاری)

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

دو طلاق دینے کا حکم شرعی

فریق اول محمد علی ساکن سبحان پور انجوہ کے رہنے والے نے اپنی بیوی ستار النسا کو محمد علی نے حلف کی رو سے میں بیان دیتا ہوں کہ موبائل کے ذریعہ دو بار طلاق دیا، طلاق دینے کی وجہ یہ تھی کہ میری بیوی میکے میں تھی اور میں اپنے گھر میں تھا، میرا ارادہ سعودیہ جانے کا تھا کمانے کے لیے، اسی بنا پر میری بیوی نے کئی بار کہا کہ ہمارا ایک طرف کر کے جانا، اسی غصہ پر میں نے موبائل کے ذریعہ دو بار طلاق طلاق کہا اور اس وقت میری بیوی کا پیر بھی بھاری ہے، لہٰذا میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کا فیصلہ جاننا چاہتا ہوں۔

الجواب

محمد علی نے بتایا کہ اس نے اپنی بیوی ستار النسا کو حمل کی حالت میں دو طلاقیں دیں اور وہ اب بھی حمل سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوئی اور وہ ابھی ستار النساء سے رجعت کر سکتا ہے، نکاحِ جدید یا حلالہ کی حاجت نہیں۔ رجعت کا طریقہ یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ستار النسا سے کہے: ''میں نے تم سے رجعت کیا۔'' یا ''میں نے تم کو لوٹا لیا'' آئندہ طلاق سے بچے ورنہ ایک طلاق دینے کے بعد ہی وہ سخت حرام ہوجائے گی، پھر دونوں بغیر حلالہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہ ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا نکاح کے وقت لڑکی سے تین بار اجازت لینا ضروری ہے؟

نکاح کی اجازت جب وکیل دلھن کے پاس لینے جائے تو تین مرتبہ پوچھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی دو مرتبہ پوچھے تو کیا حکم ہے؟ جب کہ دلھن نے دونوں مرتبہ بلند آواز میں اجازت دی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تین مرتبہ ہی پوچھنا چاہیے، یہ ضروری ہے، اور یہ دولھا دلھن کی زندگی کا سوال ہے۔ تو ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب

نکاح پڑھانے کے لیے ایک بار اجازت حاصل کر لینا کافی ہے، تین بار اجازت لینا ہرگز ضروری نہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور عامۂ کتب میں کہیں بھی تین بار اجازت لینے کی شرط نہیں مذکور ہے، صحیح مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مطلقاً منقول ہے:

اَلایّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِہَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاذَنُ فِی نفسها. مسلم والأربعة من حديث ابن عباس.

(الدرايه على هامش الهداية، ص: ٣٩٤، ج:٢)

ہدایہ میں ہے:

ولو استاذن الثيب فلا بدّ من رضاها بالقول لقوله عليه السلام : الثيب تشاورُ، ولأنّ النطق لَا يُعَدُّ عيبًا منها وقلّ الحياء بالممارسة فلا مانع من النطق في حقها. اھ (٢/ ٢٩٥، مجلس البركات)

پھر عورتوں، بالخصوص لڑکیوں کو بار بار نکاح کے لیے بولنے میں شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے، اس لیے انھیں اس کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا زیراکس پرچے کی بنیاد پر حدودِ قضا سے باہر عید کرنا درست ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ۲۰/ اکتوبر ۲۰۰۶ء مطابق ۳۰/ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ بروز منگل ایک دار القضاء سے رویت ہلال عید کے بارے میں ایک اعلانیہ پرچہ بایں مضمون شائع ہوا: ''دار القضاء ادارہ شرعیہ ضلع کشن گنج کے مرکزی دفتر دار العلوم چشتیہ کھگڑہ خانقاہ میں چاند کی شہادت ثابت ہوگئی، لہٰذا آج عید الفطر کی نماز ہوگی، جملہ احبابِ اہلِ سنت کو سلام کہیے، فقط والسلام۔ اس کے بعد قاضی کا دستخط اور مہر ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا دار القضا کے اعلان پر کشن گنج اور اس کے مضافات میں عید و بقر عید موقوف نہیں، دیگر ادارے اور مساجد

کے اعلان پر بھی وہاں عید منائی جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا اعلانیہ پرچہ زیراکس در زیراکس ہوتا ہوا بنگال کا شمالی ضلع اتر دیناج پور کے چکلیہ تھانہ کے تحت واقع سانور گاؤں تک پہنچا، واضح رہے کہ صوبہ وضلع کے الگ ہونے کے ساتھ مذکورہ گاؤں شہر کشن گنج وٹھگڑہ سے تقریبًا ۲۰؍ کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

(۱)- مذکورہ بالا اعلانیہ پرچہ مندرجہ بالا صورت میں سانور اور اس کے مضافات کے لیے معتبر ہے یا نہیں؟

(۲)-اس پرچۂ اعلان کی بنیاد پر ۲۴؍ اکتوبر ۲۰۰۶ء بروز منگل جو عید الفطر کی نماز ادا کی گئی وہ درست ہوئی یا نہیں؟ نیز جن لوگوں نے اس دن روزہ توڑ دیا، ان کا حکم کیا ہے؟

(۳)-سانور کی عیدگاہ میں اس علاقہ کے بڑے عالم کی امامت میں عید وبقر عید کی نمازیں ہوتی چلی آرہی ہیں، لیکن اس عالم دین نے اس پرچۂ اعلان کا اعتبار نہ کرتے ہوئے ۲۴؍ اکتوبر کو عید کی نماز پڑھانے سے انکار کر دیا، تو کچھ سیاسی لوگوں نے گاؤں کے چند افراد کو لے کر جدید امام کی اقتدا میں مذکورہ بالا پرچہ کی بنا پر نماز عید ادا کر لی۔ پھر ۲۵؍ اکتوبر بدھ کے روز مذکورہ بالا عالم دین کی اقتدا میں گاؤں کے اکثر لوگوں نے اسی عیدگاہ میں نماز ادا کیا تو ایک ہی عیدگاہ میں دو روز نمازِ عید ادا کرنا شرعًا درست ہوا نہیں؟ اور کن کی نماز درست ہوئی اور کن کی نماز غلط؟

(۴)-جو لوگ ۲۴؍ اکتوبر بروز منگل اس اعلانیہ پرچہ کی بنیاد پر نمازِ عید ادا کر چکے تھے، دوبارہ ان لوگوں کا بدھ کے دن نمازِ عید ادا کرنا صحیح ہے یا غلط اور مذکورہ بالا لوگوں سے یہ کہنا کہ تم لوگوں کی نمازِ منگل کو درست نہیں ہوئی، دوبارہ بدھ کو ادا کر لیں، کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں تاکہ فتنہ فرو ہو کر حق کا بول بالا ہو۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

یہ پرچہ کتاب القاضی الی القاضی نہیں ہے بلکہ خالص اعلان ہے اور وہ بھی متعدد وجوہ سے نامقبول ہے، ایک یہ کہ دونوں کا صوبہ الگ ہے، جس سے ظاہر یہ ہے کہ موضع سانور اور اس کے مضافات دار القضا کشن گنج کے حدودِ قضا سے باہر ہے اور ایسی جگہ بطور مذکور موصول شدہ کتاب القاضی الی القاضی بھی عام مکتوب کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ پرچہ زیراکس در زیراکس ہوتا ہوا گاؤں میں پہنچا اور زیراکس مقبول نہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ مختلف ہاتھوں میں ہوتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور موضع سانور تک پہنچا یعنی باوثوق ذریعہ سے پہنچنا معلوم نہیں اور اگر بالفرض ذریعہ باوثوق ہو تو بھی دونوں وجہوں کی بنا پر وہ پرچہ نامقبول ہے۔ مقبول اس وقت ہوتا جب کتاب القاضی الی القاضی کے طور پر ثقہ شاہدین کے ذریعہ آتا اور وہ شہادت دیتے، یہاں ایسا نہیں، لہٰذا قطعًا نامعتبر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)-اس پرچے پر اعتماد کر کے جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور عید کی نماز پڑھی وہ سب لوگ شرعًا خطاوار اور گنہ گار ہوئے، البتہ چوں کہ اس روز دوسری جگہوں پر فی الواقع یکم شوال ہونے کا شرعی ثبوت حاصل ہو گیا تھا، اس لیے روزہ توڑنے کا کفارہ لازم نہ آئے گا، نہ قضا واجب ہوگی، اس کی تحقیق فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۲۱، ۵۲۲ پر ہے۔ البتہ نمازِ عید نہ ہوئی، اس کی تحقیق فتاویٰ رضویہ، ص:۵۶۵، ۵۶۶، ج:۴، پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)-دوسرے روز جن لوگوں نے امام عید کی اقتدا میں نمازِ عید ادا کی انھیں کی نمازِ عید درست ہوئی اور جن لوگوں نے سیاسی لوگوں کے دباؤ پر نماز پڑھی، ان کی نماز نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)-اگر ان لوگوں پر نمازِ عید واجب تھی تو دوسرے روز امام مقرر کے پیچھے ان کا نمازِ عید ادا کرنا واجب تھا کہ پہلے روز ان کی نماز صحیح نہ تھی، تو واجب ان کے ذمہ رہ گیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غروبِ آفتاب سے قبل افطار کرنے کا حکم

دو حضرات پورہ رانی، ہانس بابا کی مسجد کے پڑوس سے آئے اور یہ بتایا کہ آج اذانِ مغرب چھ بج کر ۵۰؍ منٹ پر ہوئی، یعنی وقت افطار سے ۶؍ منٹ قبل، جن لوگوں نے اذان کی آواز سن کر قبل غروبِ آفتاب افطار کر لیے ان کا کیا حکم ہے؟

میں نے جواب دیا کہ:

ایسے تمام لوگوں پر عید کے بعد ایک روزہ کی قضا لازم ہے، کفارہ نہیں، البتہ خود بھی وقت افطار پر نظر رکھنی چاہیے تھی، اس میں تساہلی کی، اس سے توبہ کریں اور آئندہ جب تک دو تین جگہوں کی اذان سے اطمینان نہ حاصل ہو جائے افطار میں توقف کریں، موذن کو بھی ہدایت کی جائے کہ اس نے پوری تحقیق واطمینان حاصل کیے بغیر اذان کیوں دی، آئندہ سخت احتیاط کرے۔ اس مسئلے کا حکم فتاویٰ رضویہ، ص:۵۲۲، ج:۴، اور بہارِ شریعت ص:۹۵۹، ج:۵ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکرِ امروز

تنقید برائے توقیر یا تنقید برائے تحقیر

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

یہ انسان سے خطا کا سرزد ہونا خلاف فطرت نہیں۔بلکہ اس سے چھوٹی،بڑی غلطی کا ظاہر ہونا ممکن ہے۔ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے غلطی سرزد ہوجائے اور ایک صورت یہ ہے کہ وہ غلطی پہ غلطی کرتا چلا جائے اب ایسے میں اگر کوئی ان خطاؤں پر توجہ دلاتا ہے اور نظر ثانی کے لیے کہتا ہے ۔عیوب کی نشاندہی احسن انداز میں کرتا ہے تو ہمیں اسے برا بھلا کہنے کی بجائے اپنا محسن سمجھنا چاہیے جو ہماری اصلاح چاہتا ہے۔لفظ تنقید سنتے ہی کان کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایک منفی پہلو ہمارے اذہان پر گردش کرنے لگتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ تنقید ہی تھی کہ انسان بتدریج ترقی کے مدارج طے کرتا چلا جارہا ہے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ بہترین اجتماعی عمل وہ ہے جس میں کسی پر تنقید نہ کی جائے۔یہ ایک منفی سوچ ہے۔تنقید کوئی معیوب شی نہیں ہے۔وہ ایک اعلیٰ درجہ کا فکری عمل ((Thinking Process)ہے۔جہاں تنقید اور اختلاف رائے کا ماحول نہیں ہو گا وہاں ذہنی ارتقا کا سفر رک جائے گا۔اور کسی سوسائٹی کے لیے اس سے زیادہ مہلک کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسے کند ذہن افراد کا مجموعہ بن جائے جو شعور و ادراک کی نعمتوں سے محروم اور اعلیٰ فکری صلاحیتوں سے خالی ہوں۔صاف گو انسانوں کی ناقدری،تنقید اور جرأت اظہار کا حوصلہ تملق پسندوں اور غیر سنجیدہ انسانوں کی زرد فصل ہی نہیں اگاتا،بسا اوقات یہ چیز معاشرہ میں ذہنی جمود پیدا کرنے،اکابر پرستی (Hero Worship)کی طرح ڈالنے اور فکر و عمل کے سوتے خشک کرنے کا موجب بھی بنتا ہے۔

کسی بھی قوم کے ارتقا کا انحصار اس کی فکری صلاحیتوں پر ہوا کرتا ہے۔قومیں احتساب عمل اور تنقید کے زور پر ہی ترقی کے مراحل طے کرتی ہیں نہ کہ مداہنت اور مصلحت کوشی کے زور پر۔

ایک وہ دور بھی تھا جب لوگ تنقید سے خوش ہوتے تھے۔کیوں کہ وہ تنقید کی اہمیت سے واقف تھے۔ان کی نظر تنقید کی ایجابی پہلو پر ہوتی تھی۔اور یہی چیز انھیں خوش پسندی کے بجائے خود احتسابی پر اکساتی تھی۔

امت میں جب تک تخلیقی ذہنیت کے لوگ موجود رہے امت کا بحیثیت مجموعی یہی معمول رہا۔امرا و سلاطین کا دربار رہا ہو یا صوفیہ اور مشائخ کی مجلسیں تنقید کو کہیں بھی بیگانگی اور اجنبیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔شاہان وقت تک مخالف آرا کا احترام کرتے تھے۔خلیفہ ہارون رشید کا واقعہ ہے کہ وہ مشہور بزرگ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ کرتے ہوئے خلیفہ نے جب اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا تو انھوں نے کہا:ہائے!یہ کتنا زیادہ نرم ہے،اگر یہ کل کو اللہ کے عذاب سے بھی بچ جائے ہارون رشید نے درخواست کی کہ کچھ نصیحت کیجیے۔فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ترش لہجہ میں کچھ ناصحانہ کلمات کہے۔خلیفہ نے مزید تقاضا کیا اور فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر جلی کٹی سنانی شروع کر دی۔راوی کہتے ہیں وہ اسی طرح سخت تنقیدی زبان بولتے رہے اور دیر تک ڈرانے والی باتیں کہتے رہے،خلیفہ سر جھکائے کھڑا رہا۔یہاں تک کہ وہ ان کی نصیحتیں سن کر رو پڑا۔آخر میں اس نے اپنے وزیر جعفر برمکی سے کہا:آئندہ مجھے ایسے ہی لوگوں سے ملایا کرنا۔یہ مسلمانوں کے سردار ہیں۔

محترم قارئین!!یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ تنقید جب اتنی اچھی چیز ہے کہ وہ اچھے اور پیارے اقدار و روایات کو فروغ دیتی ہے اور معاشرہ میں خیر پسند افراد کے وجود کو یقینی بناتی ہے تو معاشرہ ہی میں کچھ لوگ اس سے خائف کیوں رہتے ہیں۔وہ اس سے بدکتے کیوں ہیں؟جواب ہے ہمّت اور بلند حوصلگی و اعلیٰ ظرفی کی کمی۔انسان اگر صاحب ظرف اور حوصلہ مند ہو تو وہ تنقید سے کبھی خوفزدہ نہیں ہو گا۔نہ ہی وہ اپنے ناقد کو دشمن کے روپ میں دیکھے گا۔اس کے بجائے وہ اپنی تعریف و توصیف کو ایک غیر اخلاقی مذاق سمجھے گا۔وہ کبھی بھی اپنی شان میں پڑھے جانے والے قصیدوں کا طلب گار نہیں رہے گا۔مدح و ستائش کے لائق صرف خدا اور اللہ عزوجل کے انبیا علیہم السلام کی ذوات ہیں۔

تنقید تخلیق کا اظہار ہی نہیں،آدمی کی خصوصیات کو پرکھنے کے لیے ایک پیمانہ بھی ہے۔جس سے زندہ انسان اور مردہ انسان کا فرق سمجھ میں آتا ہے۔اگر کسی شخص پر تنقید کی جائے تو وہ اپنے مخالفین (ناقدین) پر ناک

بھوں چڑھانے کے بجائے انہیں تشکر آمیز نظروں سے دیکھے گا اور اپنی شخصیت کو ہر زاویہ سے ٹٹولنے اور تنقید کے فوکس (Focus) میں اسے نکھارنے، سنوارنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح اس کی خوابیدہ صلاحیتیں اٹھیں گی۔ اس کا Vision ایک مثالی Vision بن جائے گا اور اس کی شخصیت ایک مثالی شخصیت۔

قارئین !! یہ تو تنقید کا مثبت پہلو ہے۔ اب آئیے تنقید برائے تنقید کے پہلو پر بھی عرض کرتا چلوں۔

آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ اتنی طویل تمہید میں نے کیوں باندھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں دفتر میں ہوں یا گھر میں، نجی محفل میں یا کسی سیمینار یا تقریب میں ساعتوں سے چبھتے ہوئے اعتراضات اعصاب کو چھلنی کر دیتے ہیں ؛فلاں ایسا، فلاں ویسا۔ اس نے یہ کر دیا اس نے یہ کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کوئی حکومت وقت کی خبر لے رہا ہوتا ہے تو کوئی حزب اختلاف کی ۔ الغرض ہر سمت تنقید برائے تنقید کا تعفن پھیلا ہوا ہے۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ آپ کے اس مزاج سے آپ کے ارد گرد مایوسی و محرومی کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں۔ یہی حال رہا تو نفرتوں اور عداوتوں کا قہر نازل ہونے والا ہے۔ انسان سے خطا ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ فطرت کا حصّہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس سے خطا سرزد ہو اس سے کوئی تعمیری کام ،اچھا کام ،انسان دوست فعل کام نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ قرین قیاس سے بہت دور کی بات ہے۔

آپ یقین کریں۔ کوئی بھی ٹی وی چینل آن کریں۔ اینکر پرسن آغاز ہی ایک ایسے سوال سے کرتا ہے جس سے تنقید برائے تنقید کا پہلو سامنے آتا ہے۔ جواب دینے والے بھی چٹے چھٹے کھولنے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ ایسے میں جو ٹی وی دیکھ رہا ہوتا ہے وہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔

ایک بہت بڑا مسئلہ ہمارے ہاں شعبہ صحافت اور ایک عام آدمی کا یہ مزاج بن چکا ہے کہ وہ دوسرے کے اچھے کام کرنے پر داد تحسین دینے میں بخل سے کام لیتا ہے اور تنقید آپ اس سے پوری دنیا کی کروالیں جوان نہ تھکے گا نہ چپ ہوگا۔ دیکھیں !میں جس جانب آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ خدارا آپ تنقید کریں اس میں انسان بہتر سے بہترین کی منازل طے کرتا ہے۔ لیکن تنقید برائے تنقید نہ ہو۔ اس تنقید میں انسانیت کی اصلاح کا پہلو نمایاں ہو، نہ کہ تعصب ،نفرت و عداوت کا تعفن۔ آپ میں سے کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے۔ اگر تنقید نہیں کریں گے تو اصلاح کیسے ہوگی۔ محترم قارئین !خدا گواہ ہے کہ اسی پاکیزہ نیت سے تو میں نے یہ تحریر لکھی ہے کہ تنقید برائے اصلاح ہو تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کے کسی کے شعبہ کے کام کے نقائص کی بنیاد پر اس کی پرسنل لائف پر کیچڑ اچھالنا۔ اس کی عزتِ نفس کے ساتھ کھیلنا۔ کسی بھی مہذب معاشرے میں اسے اچھا نہیں جانا جاتا۔

قارئین !آپ خود میں تنقید برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ آپ تنقید کریں لیکن فقط تنقید نہ کرتے چلے جائیں جہاں تحسین پیش کرنے کا موقع ہو وہاں اتنی ہی فراخ دلی سے تحسین بھی پیش کریں۔

ص:۱۷ کا بقیہ...

گوشت کی تقسیم اور احتیاط: تن آسانی، سستی غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے قربانی کے گوشت کو اندازے سے تقسیم کرنے کا رواج جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ ایسا کرنے والے یہ کہ کر اپنے چھٹکارے کی راہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنی خوشی سے اپنا حصہ معاف کرتے ہیں حالاں کہ ایسا کرنا شریعت کی نظر میں یقیناً غلط ہے اس لیے کہ شریعت کا حکم یہ ہے: شرکت میں قربانی ہوئی تو ضرور ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، اندازہ سے تقسیم نہ ہو کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو زائد یا کم ملے اور یہ ناجائز ہے۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کم و بیش ہوگا تو ہر ایک اس کو دوسرے کے لیے جائز کر دے گا، کہہ دے گا کہ اگر کسی کو زائد پہنچ گیا ہے تو معاف کیا کہ یہاں عدم جواز حق شرع ہے اور ان کو اس کے معاف کرنے کا حق نہیں۔ (بہار شریعت ج ۳ ص ۳۳۶،۳۳۵)

اندازے سے تقسیم کے حیلے : اگر گوشت اندازے سے تقسیم کرنا ہو تو اس کے بھی فقہائے کرام نے کچھ حیلے بیان فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ذبح کے بعد اس گائے کا سارا گوشت ایک ایسے بالغ مسلمان کو ہبہ کر دیں جو ان کی قربانی میں شریک نہ ہو اور اب وہ اندازے سے سب میں تقسیم کر سکتا ہے۔ (۲) گوشت تقسیم کرتے وقت اس میں کوئی دوسری چیز شامل کی جائے تو بھی اندازے سے تقسیم کر سکتے ہیں۔ (در مختار ج ۹ ص ۵۲۷)

یہ چند بے احتیاطیں بیان کی گئی اس کے علاوہ اور بھی کئی بے احتیاطیں قربانی کے دوران ہوتی ہوں گی جسے اہل علم بخوبی جانتے ہوں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں بیان کر کے عوام کو آگاہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی قربانیاں احسن انداز میں انجام کو پہنچے۔ اب اس گذارش کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں کہ مضمون میں جو خامی ہو اس سے مطلع فرما کر ناچیز راقم کی اصلاح فرمائیں۔ ☆☆☆☆

شعائیں

قربانی، مسائل اور احتیاط

مولانا محمد اظہار النبی حسینی

اسلام وہ پاکیزہ مذہب ہے جس کی ابتدا اور انتہا قربانی پر ہے، جس نے اپنے پیرو کاروں کو قربانی کا سبق دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی عبادات وتعلیمات میں قربانی کا درس بکثرت موجود ہے، اسلام کے فرائض پر بھی اگر غور کیا جائے تو ان میں بھی قربانی کے اسباق مضمر نظر آئیں گے۔ چناں چہ نماز میں وقت جیسے انمول شے کی قربانی، روزے میں اپنے محبوب ومرغوب غذاؤں اور مشروبات کی قربانی، حج میں اپنے وطن اور آل واولاد کی محبت کی قربانی اور زکوۃ میں اپنے مال عزیز کی قربانی۔ غرض یہ کہ اسلام نے اپنے پیرو کاروں کو قدم قدم پر قربانی کا درس دیا، مگر جس عبادت کو "قربانی" کے نام سے شہرت دوام ملی وہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا محبوب بارگاہ عمل ہے جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے معزز ومکرم الفاظ "سنة ابیکم ابراهیم" کے ذریعہ قیامت تک کے لیے محفوظ کردیا۔

قربانی کیا ہے؟: درمختار میں ہے:" ذبح حیوان مخصوص بنية القربة فی وقت مخصوص۔ یعنی بہ نیت ثواب خاص جانور کو خاص وقت میں ذبح کرنا(درمختار ج۵ ص۲۱۹)

ثبوت قربانی از آیت قرآنی: قربانی کا ثبوت شریعت کے ماخذ اول قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" یعنی اے محبوب! اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور ومعروف تفسیر "تفسیر کبیر" میں اس آیت کے تحت نحر کے دو معانی بیان فرمائے پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:"قال: الاکثرون حمله علی نحر البدن اولی لوجوه" یعنی اکثر مفسرین نے فرمایا کہ "وانحر" سے قربانی مراد لینا اولی ہے، اس کی چند وجہیں ہیں۔ پھر آپ نے اولویت کی پانچ وجہیں ذکر فرمائی، جو درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ عزوجل نے جب بھی نماز کا ذکر فرمایا زکوۃ کا بھی امر فرمایا لہذا آیت کریمہ لفظ "نحر" سے قربانی مراد لی جائے گی (اس لیے کہ قربانی مالی عبادت ہونے کی وجہ سے زکوۃ کے قائم مقام ہے۔)

(۲) مشرکین اپنے معبودان باطلہ کے لیے نماز پڑھتے اور قربانی کرتے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان دونوں کو اپنے لیے خاص فرمادیا۔(اگر" وانحر" سے قربانی مراد نہ لی جائے تو ان کا اللہ عزوجل کے لیے خاص ہونا ثابت نہ ہوگا۔)

(۳) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا وغیرہ نماز کے آداب سے ہیں اور وانحر فصل کا معطوف اور کسی چیز کے بعض کا عطف جمیع پر امر بعید ہے لہذا ضروری ہوا کہ وانحر سے قربانی مراد لی جائے(تاکہ کلام الٰہی میں قباحت لازم نہ آئے۔)

(۴) فصل میں امر الٰہی کی تعظیم اور وانحر میں شفقت علی الخلق کی جانب اشارہ ہے۔ اور جملہ حقوق عبودیت ان دو اصول سے خالی نہیں...........(اس لیے وانحر سے قربانی مراد لینا اولی ہے۔)

(۵) لفظ نحر کا استعمال قربانی کے معنی میں زیادہ مشہور ومعروف ہے اس لیے اسے قربانی کے معنی پر محمول کرنا واجب ہے۔

مزید فرماتے ہیں: "واذاثبت هذا فنقول استدلت الحنفية علی وجوب الاضحية بان الله امره بالنحر" یعنی جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ نحر کے امر کی وجہ سے حنفیہ نے (اس آیت سے) قربانی کے وجوب پر استدلال کیا۔

(تفسیر کبیر، ج۳۲، ص۳۱۸)

مذکورہ بالا تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں "وانحر" سے قربانی مراد لینا ہی بہتر ہے۔

یقینا عید قرباں کے آتے ہی مسلمانوں کے دلوں میں قربانی کرنے کی تمنا انگڑائیاں لینے لگتی ہے اور وہ راہ خدا میں اپنی قربانی پیش بھی کرتے ہیں مگر آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شریعت سے دوری یا لاعلمی یا کم علمی اور بے احتیاطی کی وجہ سے صحیح طور پر قربانی نہیں کرپاتے۔ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کی اچھی نیت کے ساتھ چند مسائل اور ان

میں درآئی بے احتیاطی تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

صاحب قربانی اور احتیاط: آج ہمارے معاشرے میں لوگوں کا یہ ذہن بن چکا ہے کہ قربانی صرف گھر کے ذمہ دار اور کارجین پر واجب ہوتا ہے۔ گھر کے تمام مالک نصاب افراد پر واجب نہیں۔ مثلاً گھر میں دس افراد ہیں اور ان میں سے پانچ افراد مالک نصاب ہوتے ہیں توضرور ہے کہ اس گھر کے وہ پانچوں مالک نصاب افراد قربانی کریں لیکن پانچ کے بجائے صرف ایک قربانی کی جاتی ہے اور اسی ایک کو کافی سمجھا جاتا ہے نیز ایسا بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ بعض مسلمان جن پر قربانی فرض ہے وہ اپنی طرف سے قربانی نہیں کرتے بلکہ اپنے وفات یافتہ والدین یا رشتہ دار وغیرہ کے نام قربانی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ذمے جو قربانی واجب تھی اس سے وہ بری ہوگئے جب کہ شریعت نے حکم دیا کہ: "ہر آزاد، بالغ، مقیم، مالک نصاب مسلمان (مرد ہو یا عورت) پر قربانی واجب ہے" (عالمگیری، ج۵، ص ۲۹۲)

مالک نصاب ہونا "یہاں مالداری (ملک نصاب) سے مراد وہی ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے وہ مراد نہیں جس سے زکوۃ واجب ہوتی ہے"۔ (بہار شریعت، ج۳ ص ۳۳۲)

یعنی "جو شخص دو سو درہم یا بیس دینار کا مالک ہو یا حاجت کے سوا ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت دو سو درہم ہو وہ غنی ہے اس پر قربانی واجب ہے"۔ (بہار شریعت، ج۳ ص ۳۳۳)

اس مقدار کی موجودہ پیمانے کے مطابق مقدار ۶۰ گرام ۷۵۵ ملی گرام سونے اور ۴۲۵ گرام ۲۸۵ ملی گرام چاندی یا اتنی مالیت کا مالک ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔

ایسے مسلمان جن پر قربانی واجب ہوتی ہے لیکن وہ اپنے نام کے بجائے اپنے والدین، زوجہ یا اولاد کی طرف سے قربانی کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ واجب ان کے ذمے سے ساقط ہوگیا ایسوں کو درج ذیل فتوی پڑھ کر اپنی سمجھ کا رخ صحیح کرنا چاہیے:

"جس پر قربانی واجب ہے اس کو خود اپنے نام سے قربانی کرنی چاہیے۔ لڑکے یا زوجہ کی طرف سے کرے گا تو واجب ساقط نہ ہوگا، اپنےنام سے کرنے کے بعد جتنی قربانیاں کرے، مضائقہ نہیں۔ مگر واجب کو ادا نہ کرنا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا کرنا بڑی غلطی ہے، پھر بھی دوسروں کی طرف سے جو قربانی کی، ہوگئی۔ اور ایام نحر باقی ہوں تو یہ خود قربانی کرے، گذرنے پر قیمت اضحیہ تصدق کرے۔

(فتاوی امجدیہ، ج۳، ص ۳۱۵)

ذبح اور احتیاط: قربانی میں بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے جب کہ اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو اور اگر اچھی طرح نہ جانتا ہو تو دوسرے کو ذبح کرنے کا حکم دے مگر اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ وقت قربانی وہاں حاضر ہو۔ (عالمگیری ج۵ ص ۳۰۰)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ عموماً ہم اپنی قربانی اپنے ہاتھوں نہیں کرتے اس کی وجہ...... بلکہ ائمہ کرام سے کرواتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ائمہ حضرات جیسے ہی جانور کی گردن پر چھری پھیرتے ہیں اور رگیں ابھی پوری کٹی نہیں ہوتی صرف خون نکلنا شروع ہوتا ہے کہ قصاب چھری اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اس وقت یہ بے احتیاطی ہوتی ہے کہ قصاب بغیر بسم اللہ پڑھے پوری رگیں کاٹتا ہے جس کی وجہ سے جانور حلال نہیں ہوتا اس لیے کہ مسئلہ ہے: در مختار میں ہے کہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ پڑھنا لازم ہے اور اس میں خانیہ سے ہے قربانی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح میں رکھا اور ذبح میں مدد کی تو ہر ایک بسم اللہ پڑھے، تو اگر ایک نے نہ پڑھا یا خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا۔ الخ. (فتاوی رضویہ ج۲۰ ص۲۹)

اور حضور صدر الشریعہ نے اسی مسئلے کو ان الفاظ مین بیان فرمایا: "خود ذبح کرنے والے کو بسم اللہ کہنا ضرور ہے دوسرے کا کہنا اس کے کہنے کے قائم مقام نہیں یعنی دوسرے کے کہنے سے جانور حلال نہ ہوگا جب کہ ذابح نے قصداً ترک کیا ہو اور دو شخصوں نے ذبح کیا تو دونوں کا پڑھنا ضروری ہے ایک نے قصداً ترک کیا تو جانور حرام ہے۔ معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذبح کرنے میں اس کا معین ہو یعنی دونوں نے مل کر ذبح کیا ہو اور دونوں نے چھری پھیری ہو مثلاً ذابح کمزور ہے کہ اس کی تنہا قوت کام نہ دے گی دوسرے نے بھی شرکت کی دونوں نے مل کر چھری چلائی"۔ (بہار شریعت ج۳ ص۳۱۸)

پھر ذبح میں یہ احتیاط ضرور رکھا جائے کہ ذبیحہ کی گردن کی رگیں اچھی طرح کٹ جائیں ایسا نہ کہ اس میں بے احتیاطی کے شکار ہو جائیں اور جانور حلال ہی نہ ہو، رہا یہ کہ ذبح میں کتنی رگیں کاٹی جاتی ہیں اور ان میں کم از کم کتنی رگوں کا کٹنا ضروری ہے اس کے متعلق حضور صدر الشریعہ نے تحریر فرماتے ہیں: "جو رگیں ذبح میں کاٹ جاتی ہیں وہ چار ہیں:

(۱) حلقوم یہ وہ ہے جس میں سانس آتی جاتی ہے (۲) مری اس سے کھانا پانی اترتا ہے (۳،۴) ان دونوں کے اغل بغل دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہے ان کو ودجین کہتے ہیں۔ ذبح میں چار

رگوں میں سے تین کا کٹ جانا کافی ہے یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہوجائے گا کہ اکثر کے لیے وہی حکم ہے جو کل کے لیے ہے اور اگر چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے گا جب بھی حلال ہو جائے گا اور اگر آدھی آدھی ہر رگ کٹ گئی اور آدھی باقی ہے تو حلال نہیں "۔(بہار شریعت ج ۳ص ۳۱۳،۳۱۲)

قصاب اور احتیاط: قصاب کے حوالے سے حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی احتیاطیں بایں الفاظ رقم فرماتے ہیں: ہر وہ فعل جس سے جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچے مکروہ ہے مثلاً جانور میں ابھی حیات باقی ہو ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا، اس کے اعضا کاٹنا یا ذبح سے پہلے اس کے سر کو کھینچنا کہ رگیں ظاہر ہوجائیں یا گردن کو توڑنا یوہیں جانور کو گردن کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے بلکہ اس کی بعض صورتوں میں جانور حرام ہوجائے گا۔

(مصدر سابق ص ۳۱۵)

اس کی تفصیل کرتے ہوئے دور حاضر کے عظیم مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتھم العالیہ اپنے رسالے ابلق گھوڑے سوار میں قصاب کی اصلاح اور بے زبان جانوروں پر رحم کی اپیل کے جذبے کے تحت فرماتے ہیں: ذبح میں اتنا نہ کاٹیں کہ چھری گردن کے مہرے تک پہنچ جائے کہ یہ بے وجہ کی تکلیف ہے۔ پھر جب تک جانور مکمل طور پر ٹھنڈا نہ ہوجائیں نہ اس کے پاؤں کاٹیں نہ کھال اتاریں، ذبح کر لینے کے بعد جب تک روح نہ نکل جائے چھری کٹے ہوئے گلے پر مس کریں نہ ہی ہاتھ۔ بعض قصاب جلد ٹھنڈی کرنے کے لیے تڑپتی گائے کی گردن کی زندہ کھال ادھیڑ کر چھری گھونپ کر دل کی رگیں کاٹتے ہیں، اسی طرح بکرے کو ذبح کرنے کے فوراً بعد بے چارے کی گردن چٹخا دیتے ہیں، بے زبانوں پر اس طرح کے مظالم نہ کئے جائیں۔ (ابلق گھوڑے سوار ص ۱۵) اسی طرح اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ذبح کے وقت جانور کو بھوکا پیاسا رکھا جائے نہ چھری جانور کے سامنے تیز کیا جائے نہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کیا جائے کہ حدیث پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے، چناں چہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے: رسول انور ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذاذبحتم فاحسنوا الذبح وليحد احدکم شفرته فليرح ذبيحته.

(مسلم شریف، باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرة)

ترجمہ: اللہ عزوجل نے ہر چیز کے ساتھ نیکی حکم دیا تو جب تم قتل کرو تو احسن طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو احسن طریقے سے ذبح کرو اور اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کرلیا کرو اور ذبیحہ کو آرام دو۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ دو جہاں کے سلطان ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے، وہ بکری کی گردن پر پاؤں رکھ کر چھری تیز کررہا تھا اور بکری دیکھ رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: افلا قبل ھذا اتريد ان تميتها موتا یعنی کیا تم یہ پہلے نہیں کر سکتے تھے؟ کیا تم اسے کئی موت مارنا چاہتے ہو؟ (السنن الکبری للبیہقی، باب الذکاۃ بالحدید وبما یکون)

قصاب حضرات کو چاہیے کہ عام دنوں میں ذبیحہ کے جن اجزا کو فروخت کیا کرتے ہیں بقرعید کے دنوں میں بھی انہیں ابھی طرح بنا کر گوشت میں شامل رکھیں، جلد بازی میں گوشت برباد نہ کریں مثلاً پونچھ کا گوشت قربانی کے دنوں میں عموماً قصاب اسے کاٹ کر پھینک دیتے ہیں نیز گوشت بناتے وقت ذبیحہ کے حرام اجزا کو کاٹ کر پھینک دیں تاکہ ان کی وجہ سے دوسرے گوشت پر کوئی اثر نہ پڑے۔

گوشت اور احتیاط: گوشت کے بارے میں بھی ہم مسلمانوں کو صحیح علم نہیں کہ جانور کے کون سے اجزا حلال اور کون سے اجزا حرام ہیں جو کہ یقینا مقام افسوس اور تشویش ناک امر ہے۔ بہر حال اب افسوس کرنے کے بجائے آیئے فتاوی رضویہ شریف کی روشنی میں حلال جانور کے ناجائز اجزا کا علم حاصل کرتے ہیں چناں چہ اعلی حضرت علیہ رحمۃ رب العزت فرماتے ہیں: حلال جانور کے سب اجزا حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتہ (۳) پھکنا (۴) علامات نر و مادہ (۵) بیضے (کپورے) (۶) غدود (۷) حرام مغز (۸) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۹) جگر (۱۰) تلی کا خون (۱۱) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے (۱۲) دل کا خون (۱۳) پت یعنی وہ زرد پانی جو پتے میں ہوتا ہے (۱۴) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۵) پاخانے کا مقام (۱۶) اوجھڑی (۱۷) آنتیں (۱۸) نطفہ (۱۹) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا (۲۰) وہ (نطفہ) کہ گوشت کا لوتھڑا ہوگیا (۲۱) وہ (نطفہ) کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا۔

(فتاوی رضویہ ج ۲۰ ص ۲۴۱،۲۴۰)

---------------باقی ص:۴۰ پر

اسلام اور سائنس

دوسری قسط

تخلیقِ انسان اور انسانی جسم

اسلام اور سائنس کی نظر میں

مہتاب پیامی

انسانی پنجر اور ہڈیوں کی ساخت

انسانی پنجر اور ہڈیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے:

(وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ط)

"پھر دیکھو ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست اس پر چڑھاتے ہیں..." (1)

ایک دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

(وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ط قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ)

"کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ اس سے کہو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے"

پنجر صناعی کی ایک بہترین مثال ہے۔ یہ انسانی جسم کو ساختیاتی سہارا دینے کا نظام ہے۔ یہ جسم کے نازک اعضا مثلاً دماغ، دل اور پھیپھڑوں کی حفاظت کرتا ہے اور اندرونی اعضا کو تحفظ دیتا ہے۔ یہ انسانی جسم کو حرکت کی ایک ایسی اعلیٰ صلاحیت دیتا ہے جو کسی مصنوعی میکانیکی عمل سے فراہم کی ہی نہیں جا سکتی۔ ہڈی کے ٹشو غیر نامیاتی (بے روح) نہیں ہیں جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں۔ ہڈی کا ٹشو تو جسم کے لیے معدنیاتی ذخیرہ ہوتا ہے جس میں کئی اہم معدنیات شامل ہوتی ہیں مثلاً کیلشیم اور فاسفیٹ' جسم کی ضرورت کے مطابق یہ یا تو ان معدنیات کو ذخیرہ کر لیتا ہے یا انہیں جسم کو دے دیتا ہے۔ اس سب کے علاوہ ہڈیاں خون کے سرخ خلیے بھی پیدا کرتی ہیں۔

پنجر کے یکساں طور پر بہترین طریقے سے کام کرنے کے علاوہ وہ ہڈیاں جو اسے بناتی ہیں ان کی بھی ایک منفرد ساخت ہوتی ہے۔ ان کے ذمے یہ کام ہوتا ہے کہ یہ جسم کو سہارا دیں اور اس کی حفاظت کریں۔ اور اس کام کو بہتر طور پر سرانجام دینے کے لیے ہڈیوں کو ان صلاحیتوں اور قوتوں کے ساتھ تخلیق کیا جاتا ہے۔ بدترین حالات کو بھی اس موقع پر سامنے رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ران کی ہڈی اس وقت ایک ٹن وزن اٹھا سکتی ہے جب یہ بالکل سیدھی کھڑی ہو۔ ہمیں حیرت ہوگی کہ ہمارے ہر قدم کے بعد جو ہم اٹھاتے ہیں یہ ہڈی ہمارے جسم کے وزن سے تین گنا زیادہ وزن اٹھا لیتی ہے۔ جب ایک کھلاڑی اونچی چھلانگ لگاتا اور زمین پر آ کر گرتا ہے تو اس کے پیڑو (Pelvis) کے ہر مربع سینٹی میٹر پر ۱۴۰۰ کلوگرام دباؤ پڑتا ہے۔ یہ ڈھانچہ مضبوط کس طرح بنتا ہے جو خود ایک واحد خلیے کی تقسیم اور اسے بار بار دہرانے سے وجود میں آتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہڈیوں کی بے مثال تخلیق میں پوشیدہ ہے۔

اس موضوع کی مزید وضاحت میں آج کی ٹیکنالوجی سے دی جانے والی ایک مثال مددگار ثابت ہوگی۔ وسیع اور کھلی بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر میں مچان بندی (Scaffolding) کا نظام استعمال کیا جاتا ہے۔ اس تکنیک میں تعمیر کے لیے جو سہارا فراہم کرنے والا ساز و سامان استعمال کیا جاتا ہے اس میں پتھر کا ڈھانچہ شامل نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی ایسی سلاخیں ہوتی ہیں جن سے یہ مچان بنائی جاتی ہے۔ پیچیدہ حساب کتاب اور پیمائشوں کے ذریعے جن میں کمپیوٹر کی مدد بھی لی جاتی ہے زیادہ مضبوط اور لاگت کی نسبت سے مفید اور سود مند پُل اور صنعتی تعمیرات کھڑی کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

ہڈیوں کا اندرونی ڈھانچہ بھی مچان کے اس نظام کی مانند ہوتا ہے جسے ان پُلوں اور مناروں یا ٹاوروں کو تعمیر کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں صرف ایک فرق ہے کہ ہڈیوں کا یہ نظام انسان کے بنائے ہوئے نظام کی نسبت زیادہ پیچیدہ، جامع اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس نظام کی مدد سے ہڈیاں زیادہ مضبوط اور ہلکی ہوتی ہیں جنہیں انسان آرام کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا، یعنی اگر ہڈیوں کا اندر کا حصہ زیادہ سخت اور ابھرا ہوا ہوتا جس طرح ان کا بیرونی حصہ ہوتا ہے تو انسان ان کو اٹھا ہی نہ سکتا اور اپنی سخت بناوٹ کی وجہ سے یہ ہڈیاں معمولی سی چوٹ پڑنے پر ٹوٹ جاتیں یا ان میں دراڑیں پڑ جاتیں۔

ہماری ہڈیوں کا نہایت جامع نظام ہمیں سادہ طریقے سے زندگی گزارنے، بغیر کسی درد اور تکلیف کے مشکل کام بھی سرانجام دینے میں مدد دیتا ہے۔ ہڈیوں کی ایک اور خاصیت یہ ہے کہ جسم کے مختلف حصوں میں یہ بہت لچک دار رکھی گئی ہیں۔ جس طرح پسلیوں کا پنجر جسم کے نازک اعضا کو تحفظ دیتا ہے جن میں دل اور پھیپھڑے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ یہ پھیپھڑوں کو پھیلنے اور سکڑنے میں مدد دیتا ہے تاکہ ہوا کا پھیپھڑوں کے اندر آنا جانا لگا رہے۔

ہڈیوں کی یہ لچک وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر حمل کے آخری مہینوں میں عورتوں کی کولہے کی ہڈیاں پھیل کر ایک دوسرے سے دور ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک بے حد اہم ذکر ہے کیونکہ بچے کی پیدائش کے دوران یہ پھیلاؤ اس کے سر کو رحم مادر سے کچلے جانے سے محفوظ رہ کر باہر آنے میں مدد دیتا ہے۔

ہڈیوں کے بارے میں یہ حیرت انگیز باتیں یہاں تک ہی محدود نہیں ہیں ان کی لچک، پائیداری، ہلکے پن کے علاوہ ان ہڈیوں میں اپنے آپ کو مرمت کر لینے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ اگر ایک ہڈی ٹوٹ جائے تو ضرورت صرف اس بات کی ہوتی ہے کہ اسے اپنی جگہ پر مضبوط رکھا جائے تاکہ اسے اپنے آپ کو مرمت کر لینے کا موقع مل سکے۔ جیسا کہ یہ بات واضح ہے کہ جسم میں جو مختلف عوامل کارفرما ہوتے ہیں ان میں سے یہ بھی ایک نہایت پیچیدہ عمل ہوتا ہے جس میں کئی ملین خلیے باہم مل جل کر کام کرتے ہیں۔

پنجر کی خود حرکتی صلاحیت ایک اور اہم بات ہے جس میں غور کیا جانا چاہیے۔ ہمارے ہر قدم کے ساتھ وہ مہرے جو ریڑھ کی ہڈی کو تشکیل دیتے ہیں ایک دوسرے پر حرکت کرتے ہیں۔ اس مسلسل حرکت اور رگڑ سے عام حالت میں ان مہروں کو گھس جانا چاہیے تھا۔ مگر ان کو اس سے بچانے کے لیے ہر مہرے کے درمیان مزاحمتی مرمری ہڈیاں رکھ دی گئی ہیں جن کو ڈسک کہتے ہیں۔ یہ پلیٹ نما ڈسک انہیں جھٹکوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہر قدم پر زمین سے جسم پر ایک قوت روبہ عمل ہوتی ہے جو جسم کے وزن کا ردعمل ہوتا ہے۔

ریڑھ کی ہڈی میں موجود مزاحمتی مرمری ہڈیاں اور قوت تقسیم کرنے والی اس کی خم دار شکل جسم کو جھٹکوں سے نقصان نہیں پہنچنے دیتی۔ اگر یہ لچک دار خاص ساخت (جو ردعمل کی قوت کو کم کرتی ہے) نہ ہوتی تو خارج ہونے والی قوت براہ راست کھوپڑی کو منتقل ہو جاتی اور ریڑھ کی ہڈی کا سب سے اوپر والا سرا اسے توڑ کر دماغ میں گھس جاتا۔

ہڈیوں کے جوڑوں کی سطح پر تخلیق کے نشانات بھی نظر آتے ہیں۔ یہ جوڑ حالانکہ عمر بھر مسلسل حرکت میں رہتے ہیں مگر ان کو پھر بھی کسی چکنائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ماہرین حیاتیات نے اس کا سبب جاننے کے لیے تحقیق کی کہ ان جوڑوں میں رگڑ کیوں کر نہیں ہوتی، یہ کیسے اس سے محفوظ رہتے ہیں؟ سائنس دانوں نے دیکھا کہ جوڑوں کی جو سطح رگڑ والی سمت میں ہوتی ہے اس پر ایک پتلی مسام دار چپٹی ہڈی کی تہ رکھ کر اسے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ اس تہ کے نیچے ایک چکناہٹ ہوتی ہے۔ جب کبھی ہڈی جوڑ پر زور ڈالتی ہے تو یہ چکناہٹ مساموں سے باہر نکل آتی ہے اور جوڑ کی سطح پر اسی قسم کی پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسی تیل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسانی جسم ایک جامع اور بے نقص بناوٹ کے ساتھ بہ سہولت حرکت کر سکتا ہے۔

ذرا یہ تصور کریں کہ اگر ہر شے اس قدر جامع اور بے نقص نہ ہوتی اور پوری ٹانگ میں ایک ہی لمبی سی ہڈی ہوتی تو انسان کے لیے چلنا ایک سنگین مسئلہ بن جاتا۔ ہمارے جسم بڑے بھدے اور سست ہوتے، تمام پھرتی ختم ہو گئی ہوتی۔ بیٹھنا تک مشکل ہو جاتا اور ہر ایسے کام میں ٹانگ پر جب دباؤ پڑتا تو وہ بہت جلد ٹوٹ جاتی۔ تاہم انسانی پنجر کی ساخت اس قسم کی ہے جو جسم کو ہر طرح کی حرکت کی اجازت دیتی ہے۔ (۳)

ڈمچی کی ہڈی (Coccyx)

ڈمچی کی ہڈی انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے ستون کی آخری ہڈی ہے۔ کئی احادیثِ مبارکہ میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ انسانی

ڈھانچے کی ابتداڈُمچی کی ہڈی سے ہوئی مزید برآں مرنے کے بعد قبر میں انسان کے جسم کو مٹی کھاجاتی ہے مگر ڈُمچی کی ہڈی سلامت رہے گی اور قیامت کے دن اسی سے آدمی کا ڈھانچہ دوبار کھڑا کیا جائے گا۔

امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ، حضور ﷺ نے فرمایا:

"دونوں صوروں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے لوگوں نے کہا یاابوہریرہ!چالیس دن کا؟حضرت ابوہریرہ نے کہامیں نہیں کہہ سکتا پھر انہوں نے دریافت کیاچالیس مہینوں کا؟حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا میں کچھ نہیں کہہ سکتا،البتہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہوجائے گی مگر ڈُمچی کی ہڈی باقی رہے گی پھر قیامت کے دن اسی سے آدمی کا ڈھانچہ کھڑا کیا جائے گا۔"

دوسری حدیث کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں:

حضور ﷺ فرماتے ہیں:"اولاد آدم کے جسم میں ایک ہڈی ایسی ہے جسے مٹی نہیں کھائے گی اور وہ ڈُمچی کی ہڈی ہے"

چنانچہ مندرجہ بالا احادیث سے درج ذیل باتوں کا پتہ چلتاہے:

۱۔ انسانی ڈھانچے کی ابتدا ڈُمچی کی ہڈی سے ہوتی ہے۔

۲۔ ڈُمچی کی ہڈی کو مٹی نہیں کھائے گی۔اور

۳۔ قیامت والے دن اسی ہڈی سے انسانی ڈھانچے کو از سرِ نو زندہ کھڑا کر دیا جائے گا۔

جنین کی خلقت کے مراحل میں ڈُمچی کی ہڈی کا کردار

جب انسانی نطفہ بیضہ کو بارآور کرتا ہے تو زائیگوٹ کے بننے سے جنین کی پیدائش کا مرحلہ شروع ہوجاتاہے۔زائیگوٹ 'دو خلیوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اور پھر دو خلیوں سے چار خلیے بن جاتے ہیں اور ان کی تقسیم اسی طرح جاری رہتی ہے تاآنکہ جنین ایک ڈسک کی شکل اختیا ر کرلیتا ہے جس کی دو تہیں ہوتی ہیں ایک بیرونی اور دوسری اندرونی۔ بیرونی تہ کو"Epiblast" کہتے ہیں۔یہ جنین کو رحم کی دیوار کے ساتھ جمادیتی ہے اور رحم کی دیوار کے غدودوں سے خارج ہونے والے مواد اور خون سے اس کی خوراک کا بندوبست کرتی ہے۔

اندرونی تہ کو(Hypoblast) کہتے ہیں۔ جنین کے جسم کی ابتدا اسی تہ سے ہوتی ہے اور تقریباً ۱۵دنوں کے بعد جنین کی پشت یعنی پیٹھ پر ابتدائی لکیریں (Primitive Streaks) بننا شروع ہوجاتی ہیں جن کے سرے نوک دار ہوتے ہیں'ان کو ابتدائی ابھار یا گلٹی (Primitive Node) کہا جاتاہے۔ ان ابتدائی لکیروں اور ابھاروں سے جنین میں جو مختلف ریشے ،بافتیں اوراعضا بنتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جلد کی بیرونی تہ (Ectoderm): اس سے جلد اور مرکزی اعصابی نظام تشکیل پاتا ہے۔

جنین کی درمیانی بافتی تہ(Mesoderm) : اس سے نظام ہضم کے پٹھے ،انسانی پنجر یا ڈھانچے کے پٹھے ،نظام دورانِ خون، دل، جنسی اور پیشاب کے نظام (مثانوں کے علاوہ)، زیرِ جلد پائی جانے والی بافتیں اور بافتوں میں پائے جانے والے بے رنگ مائع کا نظام (Lymphatic System)، تلی (Spleen)، اور دماغ کا بیرونی حصہ (Cortex) تشکیل پاتا ہے۔

جنین کی اندرونی تہ(Endoderm): اس حصے میں نظام ہضم کے متعلقہ اعضا(مثلاً جگر، لبلبہ وغیرہ)، نظام تنفس، مثانہ ،غدۂ ورقیہ(Thyroid Gland)، اور کان کی نالی(Hearing Canal) پر استر کاری(Linings) ہوتی ہے۔

اس کے بعد ابتدائی لکیریں اور ابھار سوکھ جاتے ہیں اور ریڑھ کی ہڈی کے آخری حصے یعنی مقعد کی ہڈی کی جگہ ٹھہر جاتے ہیں' چنانچہ اسی سے ڈُمچی کی ہڈی تشکیل پاتی ہے۔یعنی جنین میں پیدا ہونے والی ابتدائی لکیریں اور ابھار ہی ڈُمچی کی ہڈی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

جنین کی بناوٹ وتشکیل میں نقص (Malformation)

جنین کی بناوٹ میں نقص اس بات کا ثبوت ہے کہ ڈُمچی کی ہڈی میں ماں کے وہ تمام خلیے پائے جاتے ہیں جو ایک انسان کی بافتوں کے لیے ضروری ہیں۔جنین کی پیدائش اور بناوٹ کے بعد ابتدائی لکیریں اور ابھار پیڑو کے پیچھے کی تکونی ہڈی یعنی مقعد کی ہڈی (ڈُمچی کی ہڈی) میں ٹھہر جاتے ہیں اور اپنی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہیں'اگر کسی وجہ سے یہ پھر متحرک ہوجائیں تو یہ ایک نئے جنین کی طرح بڑھنا شروع ہوجائیں گے اور اس جگہ ایک گومڑ یا بڑا سا ابھار یا گلٹی بننا شروع ہوجائے گی جو ایک بے شکل جنین کی طرح ظاہر ہوگی کہ جس کے کچھ اعضا مثلاً ہاتھوں اور پاؤں کا ناخنوں سمیت بننا ظاہر ہے۔

چنانچہ یہ بات بالیقین کہی جاسکتی ہے کہ ڈمچی کی ہڈی میں ماں کے وہ تمام خلیے موجود ہوتے ہیں کہ جن سے ایک نئے انسان کی پیدائش ممکن ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ڈمچی کی ہڈی اُن بتدائی لکیروں اور ابھاروں پر مشتمل ہوتی ہے کہ جن سے تین اہم حصے یعنی Ectoderm، Mesoderm اور Endoderm تشکیل پاتے ہیں جو جنین کی بناوٹ اور شکل کو مکمل کرتے ہیں۔

ڈمچی کی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچتا

ماہرین نے معلوم کیا ہے کہ جنین کے خلیوں کی بناوٹ اور ترتیب ابتدائی لکیروں اور ابھاروں کی بدولت ہی شروع ہوتی ہے اور ان کی بناوٹ سے پہلے خلیوں کی مزید تقسیم نہیں ہوتی۔ ان ماہرین میں سے ایک مشہور شخصیت جرمن سائنس دان "Hans Spemann" کی ہے جس نے مختلف تجربات کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا ہے۔

اس نے تجربات کے ذریعے معلوم کیا کہ کسی جنین کی پیدائش اور بناوٹ وترتیب کا سبب ابتدائی لکیریں اور ابھار ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس نے ان کو "ابتدائی ترتیب دینے والا" (The Primary Organizer) کا نام دیا۔ اس نے اس کے ایک حصے کو ایک جنین سے کاٹا اور ایک دوسرے مہمان جسم کے اندر ابتدائی مرحلے کے جنین (تیسرے اور چوتھے ہفتے کی عمر والا) کے ساتھ ملا (Implant) دیا۔ چنانچہ اس کٹے ہوئے جنین کے حصے نے مہمان جسم کے خلیوں کی بدولت پیدا ہونے والے اثر اور بناوٹ سے متاثر ہوکر ایک دوسرے جنین کی تشکیل شروع کردی۔

اس کے بعد جرمن سائنس دان نے اپنے تجربات کو بیک وقت پانی اور خشکی والے جانوروں پر کیا۔ اس نے ان کے Primary Organizer کو ایک دوسرے جنین کے ساتھ ملا دیا 'جہاں وہ مکمل طور پر ایک دوسرے جنین کی بناوٹ اختیار کرگئے۔

۱۹۳۱ء میں اس نے ایک اور تجربہ کیا۔ اس مرتبہ اس نے اس Primary Organizer کو پانی میں اچھی طرح اُبال کر اسے ایک دوسرے ہم عمر جنین کے ساتھ کاشت کردیا مگر اُبالنے کے باوجود Primary Organizer متاثر نہ ہوئے تھے اور انہوں نے ایک جنین کی بناوٹ کو تشکیل دے دیا۔ Primary Organizer کی اسی دریافت پر Hans Spemann کو ۱۹۳۵ء میں نوبل پرائز دیا گیا۔

۲۰۰۱ء (ماہِ رمضان ۱۴۲۳ھ) میں اسی طرح کا ایک تجربہ ڈاکٹر عثمان الجیلانی اور شیخ عبدالماجد الزندانی نے یمن کے شہر صنعاء میں کیا۔ شیخ عبدالماجد الزندانی نے اپنے گھر میں دمچی کی پانچ ہڈیوں کو گیس گن (Gas Gun) کے ذریعے پتھروں کے اوپر ۱۰ منٹ تک اس قدر جلایا کہ وہ آگ کا انگارہ بن گئیں اور جب ٹھنڈی ہوئیں تو بالکل سیاہ ہوچکی تھیں۔ انہوں نے ان جل کر کوئلہ بن جانے والی ہڈیوں کو ایک جراثیم سے پاک صندوق کے اندر محفوظ کیا اور صنعاء کی سب سے بہترین لیبارٹری (Al Olaki Laboratory) میں تجزیے کے لیے لے گئے۔

ڈاکٹر Al Olaki صنعاء یونیورسٹی میں خوردبینی مطالعہ (Histology) اور علم تشخیصِ امراض (Pathology) کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے ان ٹکڑوں کا تجزیہ کرنے کے بعد کہا کہ اس قدر جلنے کے باوجود ڈمچی ہڈیوں کی بافتوں کے خلیے بالکل متاثر نہیں ہوئے ہیں اور وہ سلامت ہیں 'صرف چربیلی بافتوں والے پٹھے اور ہڈیوں کا گودا (Bone Marrow) متاثر ہوا ہے۔ [۳]

خلاصۂ کلام یہ کہ جدید سائنس نے آقائے دوجہاں حضرت محمد ﷺ کے فرمانِ اقدس پر تصدیق کی مہر ثبت کرکے آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کا ثبوت فراہم کردیا ہے اور اس میں اہلِ عقل وخرد کے لیے غور وفکر کا ایک واضح پیغام بھی موجود ہے۔

---------------------(جاری)

ماخذ ومراجع

(۱) -قرآن مجید (۲)-اللہ کی نشانیاں۔
(۵)۔سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں
(۶)االلہ کی نشانیاں، عقل والوں کے لیے ۔
(۷)۔ مائیکروسافٹ اینکارٹا انسائیکلوپیڈیا، ۱۹۹۶ء
(۸)۔بائیبل 'قرآن اور سائنس از مورس بوکائیے۔
(9)-Microsoft Encarta DVD Edition 2009
(10)-Essentials of Anatomy & Physiology, Seeley and Otmers, P. 211
(11)-The Scientific Miracles in the front of the Head, Moore & Others, P. 41
(12)http://www.55a.net
(13)http://www.windows.ucar.edu/tour/link=/earth/Life/genetics_intro.html

انوارِ حیات

چھٹی قسط

مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی

مبارک حسین مصباحی

میرا تجسس اور شباب پر آگیا اور تشریح طلب نگاہوں سے میں انھیں دیکھ رہا تھا۔ جوہری نے نگ دو پلکا کی تشریح کرتے ہوئے کہا: ہیرے کی تراش خراش کے لیے دنیا میں دو ہی مقامات مشہور ہیں جے پور اور جاپان۔ مزید تحقیق آپ جے پور میں ماہر کاریگر سے فرمالیں۔ میں صرف اتنا بتا رہا ہوں کہ ہیرے کی اصل قیمت میں کمی یا زیادتی اس کی تراش خراش کے سبب ہی ہوتی ہے۔ پتھر تو ایک ہی ہوتا ہے اس کی تراش کا فن اسے زیادہ سے زیادہ حسن عطا کر دیتا ہے جس سے اس کی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو اس کی قیمت بھی کم ہو جاتی ہے۔ بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہیرے کے مقابلے میں کم اہمیت اور کم قیمت والا پتھر تراش خراش کر ہیرے کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے اور اس میں اپنا پورا فن استعمال کر لیا جاتا ہے تو دونوں الگ الگ جتنی قیمت کے پتھر تھے اس طرح ایک ہو جانے پر اس کی قیمت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے پتھر کی اسی قسم کا نام "نگ دو پلکا" ہے۔

میں تو پہلے ہی مطمئن تھا مزید اطمینان حاصل ہونے کے بعد میں نے کہا کہ اس شعر کا مفہوم کچھ لوگوں نے یوں بیان کیا ہے کہ "نگ دو پلکا" جوڑ والا ایک معیوب قسم کا نگ ہوتا ہے اور یہ کہ کر شاعر نے اپنے ممدوح کی منقبت نہیں منقصت بیان کی ہے۔

جوہری بھڑ پڑے اور کہا کہ جو لوگ ایسا کہہ رہے ہیں وہ حاسد، معاند اور جاہل ہیں ان کو سمجھنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ یہ شعر اپنی جگہ بہت بلند بلکہ اپنی نوعیت کا منفرد ہے اس میں ممدوح کی منقبت کی جو شان اس شعر سے نمایاں ہے وہ دوسری جگہ کم نظر آتی ہے۔

(سیدین نمبر، ص: ۱۰۵۰-۱۰۵۱)

قلمی خدمات:-

حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ بلند پایہ نثر نگار بھی تھے۔ فتویٰ نویسی میں بھی دستگاہ حاصل تھی، شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے، ماہرِ رضویات اور شارحِ کلامِ رضا کی حیثیت سے بھی ان کو مقامِ امتیاز حاصل تھا۔ مختلف اصنافِ سخن میں نعتیں اور منقبتیں بھی لکھی ہیں۔ اہل سنت کی آواز، مارہرہ شریف کے مختلف شماروں میں آپ کے گراں قدر مضامین بھی شائع ہوئے ہیں۔ متعدّد مضامین و فتاویٰ اور شعری گہرپارے ہم نے ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے سیدین نمبر میں شامل کیے ہیں۔

مختلف موضوعات پر آپ کی حسب ذیل مطبوعہ کتابیں نظر سے گزریں۔

(۱)-اھل اللہ فی تفسیر ما اھل لغیر اللہ

(دیوبندیوں، وہابیوں نے جو ذبائح اولیاء اللہ کی طرف منسوب ہوگئے انھیں حرام گردانا تو آپ نے اس کا دنداں شکن جواب دیا۔)

(۲)- دوائے دل۔ (اندھیری ممبئ کے وہابیوں کی بہترین حق نماد ہن دوزی)

(۳)-۱۳۷۳ھ کے تبلیغی دورے۔

(۴)-مدائح مرشد۔ (اس مجموعۂ کلام میں آپ کے کئی دل پذیر منظوم کلام موجود ہیں، جو آپ کے شعر و شاعری میں کامل دسترس کا روشن ثبوت ہیں۔)

علما اور دینی اداروں پر بارشِ کرم:-

حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ میں حد درجہ استغنا تھا، طبیعت انتہائی فیاض تھی۔ عام طور پر غریبوں اور پریشان حالوں کی صدقات و عطیات سے سرپرستی فرماتے۔ علمائے کرام جب ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تو کچھ نہ کچھ نقدی یا تحائف ضرور عطا فرماتے۔ اسی طرح جب علمائے کرام دینی اداروں کے تعلق سے ان سے دعا کی گزارش کرتے تو خوب دعائیں دیتے اور نہ صرف خود تعاون فرماتے بلکہ اپنے اہل ثروت مریدین کی رہ نمائی بھی فرماتے۔ بلکہ بعض اوقات خود مریدین کو حکم دیتے کہ فلاں ادارہ عظیم دینی کام کر رہا ہے، اس ادارے کا خصوصی خیال رکھیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت احسن العلما کی توجہ کا خاص مرکز رہا ہے، خود بھی اس کا تعاون فرماتے رہے اور مریدین و متوسلین کو بھی اس

کی جانب متوجہ فرماتے اور یہ سلسلہ آج بھی ان کی اولاد امجاد کی جانب سے جاری ہے۔ ایک بار جامعہ اشرفیہ نندلال گپتا کی زمین کے تعلق سے سخت مشکلات سے دوچار ہوا۔ اس مشکل وقت میں بھی حضرت احسن العلما نے خصوصی دعا فرمائی اور اپنے تعاون سے بھی نوازا۔ جامعہ اشرفیہ کے سربراہِ اعلیٰ حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی رقم فرماتے ہیں:

”وہ وقت آیا جب محب گرامی حضرت مولانا عبید اللہ خاں صاحب اعظمی ایم. پی. (جنھیں حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنی بائیں آنکھ فرماتے تھے) کے ذریعہ نندلال گپتا سے زمین کے بارے میں صلح ہوگئی۔ گپتا جی کو ایک خطیر رقم دینی تھی، جس کا انتظام آسان نہ تھا۔ مگر بزرگوں کا سہارا تھا جو اطمینان بخشے ہوئے تھا۔

رقم کی فراہمی کے لیے میں نائب ناظم حضرت مولانا محمد ادریس بستوی صاحب کے ساتھ بمبئی پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کھڑک مسجد میں قیام پذیر ہیں۔ نیاز حاصل کرنے کے لیے ہم لوگ حاضر ہوئے۔ دست بوسی اور قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت نے دعاؤں سے نوازا، ادارے کے حالات دریافت فرمائے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا، حضرت زمین کا مسئلہ حل ہوگیا ہے، دعا فرمائیں اس سلسلے میں ادارے کو جو ادائیگی کرنی ہے اس کا انتظام ہو جائے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازا، نیز اپنی جیب خاص سے کچھ رقم عطا فرمائی اور فرمایا انشاء اللہ سب انتظام ہو جائے گا، حضرت کے فرمانے کے بعد ہم ایسے مطمئن ہوئے جیسے سارا انتظام ہوگیا، اور ہوا بھی ایسا ہی کہ ایک سال کی مدت جو طے ہوئی تھی اس سے بہت پہلے رقم بھی اکٹھا ہوگئی اور قانونی اڑچنیں جو سالوں میں دور نہیں ہوتی ہیں، وہ تھوڑے وقت میں دور ہوگئیں، اور ہم نے وقت سے پہلے گپتا جی کے یہاں خبر بھیجی کہ کل چل کر رجسٹری کر دیں اب اگر تاخیر ہوئی تو وہ آپ کی طرف سے ہوگی، ہماری طرف سے نہیں۔ وہ ہنسے اور کہا میں باہر جا رہا ہوں واپسی پر سب ہو جائے گا۔ اتنی آسانی سے سارے کام کیسے ہوئے، یہ اسی زبانِ پاک کی برکت تھی، جس سے یہ جملہ نکلا تھا۔ ”انشاء اللہ سب انتظام ہو جائے گا“۔ اللہ والوں کا فرمانا مرضیِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔“(سیدین نمبر، ص:۳۰-۳۱)

حضرت احسن العلما کی نوازش خسروانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ ارشد القادری فرماتے ہیں:

”ایک بار میں مارہرہ شریف حاضر ہوا۔ بزرگوں کے کریمانہ اخلاق اور خرد نوازی کے قصے میں نے بارہا کتابوں میں پڑھے تھے، لیکن اس دن پڑھنے کا نہیں بلکہ شرم سار آنکھوں سے مجھے دیکھنے کا موقع ملا۔ انتہائی پر تکلف ناشتہ سے فارغ کرانے کے بعد انھوں نے مجھ حقیر بے توقیر کو اس مقدس تخت کی زیارت کرائی جس پر اعلیٰ حضرت کے پیرومرشد نے انھیں داخلِ سلسلہ کیا تھا اور عالمِ محسوس میں ان کا ہاتھ سرکار غوث الوریٰ کے ہاتھ میں دیا تھا۔

شرابور ہونے کے لیے الطاف وعنایات کی اتنی ہی بارش بہت تھی، اس پر مزید کرم یہ کہ جب رخصت ہونے لگے تو حضرت نے زبردستی ایک لفافہ میری جیب میں ڈال دیا۔ جب میں نے بہت انکار کیا تو ارشاد فرمایا: ”رکھ لیجیے، اس خانقاہ کی یہی روایت ہے۔“ باہر جاکر لفافہ کھولا تو اس میں پانچ سو کے نوٹ موجود تھے۔ واپس ہوتے ہوئے راستے بھر میں سوچتا رہا کہ روایت کا مطلب سِوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اوپر ہی سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔

تخیل کے سہارے ہم اوپر بڑھنے لگے۔ سلسلہ کی آخری کڑی تک پہنچے تو ایک آواز کان میں گونجی: ”انما انا قاسم و اللہ یعطی“ اللہ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ گھرانہ ہی تقسیم کرنے والوں کا ہے۔ اپنی زندگی میں بہت سی خانقاہوں کو ہم نے دیکھا ہے، لیکن اس خانقاہ کی یہ ریت دیکھ کر یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ یہ صرف خانقاہ ہی نہیں بلکہ عصر حاضر کی خانقاہوں کی آبرو بھی ہے۔“ (سیدین نمبر، ص:۸۳۶-۸۳۷)

بعض علما کو آپ سالانہ نذرانہ عطا فرماتے تھے لیکن اعلان کر کے نہیں بلکہ انتہائی رازداری کے ساتھ مفتیِ اعظم سندھ مولانا خلیل احمد برکاتی

کے صاحب زادے حضرت مفتی احمد میاں برکاتی بیان فرماتے ہیں:

"۱۹۸۶ء میں حضرت کا پاکستان کا یہ آخری دورہ تھا۔ اسی دورہ میں ایک مرتبہ راقم الحروف کراچی حاضر ہوا۔ رہائش پر احباب و مریدین کا بڑا اجتماع تھا۔ رات کے دس بجے تھے۔ حضرت نے بھرے مجمع سے فقیر کو بلایا تو دل میں خیال آیا کہ فقیر سے کچھ غلطی یقیناً ہوگئی ہے اس کی اصلاح کی غرض سے تنہائی میں بلایا ہے۔ اس خیال سے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور دل بے قابو ہونے لگا۔ جب کمرے میں داخل ہوا، حضرت مسہری پر تشریف فرما تھے، فرمایا دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دیجیے اور میرے پاس بیٹھیں۔ فقیر نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے چٹخنی لگائی اور حضرت کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنے تکیے کے نیچے سے اپنا بیگ نکالا اور اس میں سے ایک خطیر رقم فقیر کو عطا فرمائی اور فرمایا، یہ آپ کا وظیفہ ہے، آپ سے پہلے آپ کے والد کو ملتا تھا، اب آپ کو ملا کرے گا، یہ پیر خانہ کا تحفہ ہے جو مقرر ہے۔ اس کو رکھ لیں اور بس۔ پھر آپ باہر تشریف لائے۔" (سیدین نمبر، ص:۹۳۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ مارہرہ شریف حاضر ہوا، واپسی کا وقت آیا تو احسن العلما نے مجھے اپنی طرف سے کچھ عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کیا: حضور! یہ تو الٹا ہوا"۔ آپ نے دل نواز تبسم کے ساتھ ارشاد فرمایا: "سیدھا یہی ہے۔"

اس طرح کے بے شمار واقعات علمائے کرام نے بیان فرمائے ہیں آپ کشادہ دست اور فراخ دل تھے، جود و سخا آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ عام پیروں کی طرح حرص و ہوس کا ان کے یہاں شائبہ بھی نہیں تھا، یہ ان کی شان استغنا تھی جس کا اعتراف بڑے بڑوں نے کیا۔

۷۰ اوصاف و خصائل شرف ملت کے قلم سے:

حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ کے اوصاف و کمالات اور خصائل و فضائل کا احاطہ کرنا آسان نہیں، ان کی حیات و فکر عشق و عرفان اور علم و دانش کا ایک جہان ہے۔ جیسے جیسے مطالعہ کیا جاتا ہے، نت نئے گوشے سامنے آتے جاتے ہیں۔ حضرت شرف ملت نے ان کی آغوش میں پرورش پائی اور عالم شعور میں بڑی گہرائی اور گیرائی سے ان کی شخصیت و فکر کا مطالعہ کیا۔ شرفِ ملت نے بڑی جامعیت سے حضرت احسن العلما کے ۷۰/ اوصاف و خصائل کا ذکر کیا ہے۔ اگر مضمون میں اس جامع تحریر کو شامل نہیں کیا گیا تو ایک بڑی تشنگی رہ جائے گی۔ ستر اوصاف و خصائل پر مشتمل یہ معلومات افزا تحریر ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ہتھیلی رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ لے کر اس طرح سوتے تھے کہ گھٹنے تھوڑے سے مڑے ہوئے ہوتے تھے۔

(۲) گرمی بہت مانتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے کنویں یا نل سے پانی کھینچ کر بالٹی بھر کر نہاتے اور گیلی تہ بند پہنے پہنے بان کے ننگے پلنگ پر لیٹ جاتے اور اس سے پہلے پلنگ پر بھی پانی کا چھڑکاؤ کا اہتمام کرتے تھے۔

(۳) ٹرین سے سفر کرنا ہوتا تو وقت سے کافی پہلے اسٹیشن پر پہنچ جاتے۔ کار سے سفر کرنا ہوتا تو صبح صادق کے وقت گھر سے نکل لیتے تھے۔

(۴) کھانا کھاتے وقت سیدھی ٹانگ کی پنڈلی کو کھڑا رکھتے اور بائیں ٹانگ کی پنڈلی کو موڑ کر فرش یا پلنگ پر رکھتے تھے۔

(۵) سفر پر جاتے وقت اپنی ہم شیرہ صاحبہ جو گھر میں مستقل رہنے والے افراد میں سب سے بزرگ تھیں، کے پاس آکر بتاتے کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں اور انشاء اللہ فلاں تاریخ کو واپسی ہوگی۔

(۶) سفر پر جانے سے پہلے آیات قرآنی پڑھ کر دستک دیتے اور درگاہ شریف پر فاتحہ پڑھ کر سفر کی ابتدا کرتے۔ واپسی میں بھی درگاہ برکاتیہ پر سواری روک کر اتر کر فاتحہ پڑھ کر گھر میں داخل ہوتے اور اپنی ہم شیرہ صاحبہ کے پاس جا کر سلام کرتے۔

(۷) وعظ کی محفل میں خطبۂ مسنونہ کے بعد آیات قرآنی پڑھ کر درود شریف پڑھ کر اور پڑھوا کر آیات قرآنی کا ترجمہ کرتے، پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کسی نعت کے اشعار پڑھ کر مضمون بیان فرماتے۔ دوران تقریر سامعین سے بھی سوال کرتے جاتے۔

(۸) اپنے ملازمین پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ملازم عمر میں بڑا ہوتا تو "آپ" سے مخاطب فرماتے تھے۔ معینہ تنخواہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً ملازمین کو نوازتے تھے۔ عید بقرعید ان کے لباس بھی تیار کراتے تھے۔ ملازمین سے حسب موقع فرحت آمیز گفتگو بھی کرتے جس سے ملازمین کے چہرے فرط خوشی میں کھل جاتے تھے۔

(۹) صحت نے جب تک ساتھ دیا، باغ کی سیر کو جاتے تھے۔

(۱۰) کلی کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں کو گھیرا بناکر منہ کی آڑ اس طرح کر لیتے کہ کلی کا پانی گرتے وقت نظر نہ آئے اور پانی کی چھینٹ بھی اِدھر اُدھر نہ گرے۔

(۱۱) ۲۹ر تاریخ کو چاند دیکھنے کا اہتمام ضرور کرتے چاہے مطلع ابر آلود ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۲) عید کا پہلا چاند دیکھ کر اپنے بزرگوں کے پاس جاکر سلام کرتے۔

(۱۳) اپنی اہلیہ صاحبہ سے ہمیشہ بہت نرم، شیریں اور شگفتہ لہجے میں گفتگو کرتے۔ کسی نے آج تک ان کو اپنی اہلیہ سے تیز لہجے میں بات کرتے نہیں سنا۔

(۱۴) کھانے میں مونگ کی دال، پرول کی ترکاری اور بکری کا گوشت مرغوب تھا۔ گوشت میں سبزی پسند فرماتے تھے۔ مکا کے موسم میں بھٹّوں پر لیمو لگاکر نمک کے ساتھ کھانا بھی ان کی پسندیدہ غذا تھی۔ امرود کا چالو بھی پسند تھا۔ بیسن کی روٹی بھی شوق سے کھاتے تھے۔

(۱۵) مرمت، تعمیر یا قلعی کا کام ہمیشہ مسجد برکاتی سے شروع کراتے۔

(۱۶) چھوٹے چھوٹے گود کے بچوں کو خوب مسوس مسوس کر پیار کرتے تھے۔

(۱۷) کبوتروں کو اپنے ہاتھ سے دانا ڈالتے تھے اور ان کے برتن میں پانی بھرتے تھے۔

(۱۸) کھیت سے اناج آتے ہی عشر نکال کر مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ شریعت مطہرہ نے جتنا بتایا ہے اس سے زیادہ اناج صدقہ کرتے تھے۔

(۱۹) کوئی ان سے قرض لیتا اور وقت پر ادا نہیں کر پاتے تو اس کو خوب سے خوب مہلت دیتے۔ اگر اس کے حالات خراب ہوتے تو پھر تقاضا بھی نہیں کرتے تھے۔ معاف فرما دیتے تھے۔

(۲۰) اپنے مریدوں کو کاروبار پر اکساتے اور اس سلسلے میں مالی تعاون بھی کرتے۔

(۲۱) بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج سے وحشت کا اظہار کرتے اور بلند آواز میں قرآنی آیات کا وِرد کرتے۔ طوفان کے موقع پر قبلہ رو کھڑے ہوکر اذان دیتے تھے۔

(۲۲) عید بقر عید کے موقع پر بچوں اور ملازمین کو عیدی تقسیم کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کو بھی عیدی دیتے تھے۔

(۲۳) نماز اول اوقات میں ادا فرماتے تھے۔ مرض وصال میں اسپتال کے اندر نمازوں کی ادائیگی بفضلہ تعالیٰ جاری رہی۔

(۲۴) ۱۹۶۸ء تک پان بہت شوق سے کھاتے تھے۔ پان میں اصغر علی محمد علی لکھنؤ والی عمدہ تمبا کو استعمال کرتے تھے۔ اپنے برادر محترم حضور سید العلما قدس سرہٗ کے کہنے پر ایک ہی دن میں نہ صرف یہ تمباکو چھوڑ دی بلکہ پان بھی چھوڑ دیا۔ اس طرح کی مستقل مزاجی کی مثالیں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔

(۲۵) دوپہر میں کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے قیلولہ پسند فرماتے تھے۔

(۲۶) بیشتر اوقات ٹوپی اوڑھے رکھتے تھے۔ کبھی کبھی تو سوتے وقت بھی ٹوپی سر پر ہی ہوتی تھی۔

(۲۷) لباس کے معاملے میں نوجوانی میں بڑے عرض کا پاجامہ اور موسم کے اعتبار سے شیروانی پسند تھی۔ آخر کے پچیس برسوں میں شیروانی چھوڑ دی تھی آخر کے پچیس برسوں میں پاجامہ بھی کم استعمال فرماتے، تہبند ہی زیادہ پسند فرماتے تھے۔

سیاہ رنگ کا جوتا پسند نہیں کرتے تھے۔ میں نے ان کو کبھی سیاہ جوتا یا چپل پہنے نہیں دیکھا۔

(۲۸) دوا کھاتے وقت اللہ شافی واللہ کافی کا ورد فرماتے۔

(۲۹) بزرگوں کا خصوصاً حضور تاج العلما علیہ الرحمہ کا ذکر کرتے وقت اکثر گلوگیر اور آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ بزرگوں میں سب سے زیادہ حضور تاج العلما علیہ الرحمہ کو ہی چاہتے تھے۔ مرض وصال میں امین ملت نے سوال کیا کہ آپ کو سب سے زیادہ کون یاد آتا ہے تو جواب دیا کہ ببّا (حضور تاج العلما علیہ الرحمہ کو افراد خانہ ببّا کے نام سے یاد کرتے ہیں)

(۳۰) باغ کی فصل اٹھنے کے بعد اگر کسی وجہ سے بیوپاری پورا پیسہ ادا نہ کر پاتا اور پیسہ چھوڑنے پر اصرار کرتا تو بے دریغ معاف فرما دیتے تھے۔

(۳۱) فجر کے وقت سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بیدار ہوکر عبادت کا اہتمام فرماتے اور ذکر و اذکار میں محنت کرتے اور گریہ کرتے تھے جس کی وجہ سے بچپن میں ہم بچے ڈر جاتے تھے۔

(۳۲) رمضان شریف میں ہلکا افطار کرتے اور تراویح پڑھانے

کے بعد ہی کھانا کھاتے تھے۔
(۳۳) مسجد برکاتی میں تراویح ختم کرنے کے بعد رمضان شریف کی آخری تاریخوں میں قصبے کی کئی مسجدوں میں پنج سورے کے ساتھ تراویح کی جماعت کی امامت فرماتے۔
(۳۴) اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی کھنکھار کر اطلاع دیتے کہ میں اندر آرہا ہوں۔
(۳۵) اپنے سسرالی اعزہ سے بہت شگفتگی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ میرے خالہ زاد بھائی پروفیسر اختر ظہیر رضوی (گاما بھائی) کی شوخیوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ اپنے برادر نسبتی سید محمد آفاق نقوی مرحوم ومغفور سے بھی بہت شگفتگی وشیفتگی کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ اپنے ساڑھو بھائیوں سے بھی بہت لطف کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ حضور احسن العلما کے تمام ساڑھو بھائی انھیں شاہ صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔
(۳۶) جب تک صحت نے ساتھ دیا پیدل چلنا پسندیدہ فعل رہا۔ الحاج عتیق احمد برکاتی کان پوری بیان کرتے ہیں "میاں چمن گنج سے جاج مئو تک پیدل جاتے اور اس رفتار سے جاتے کہ ہم بچوں کو دوڑ کر ساتھ نبھانا پڑتا"۔
(۳۷) گھر کے دروازوں کو رات کے وقت جب بند کرانا مقصود ہوتا تو فرماتے جاؤ دروازے مامور کر دو۔ جب کھانا کھا چکتے تو فرماتے کھانا بڑھالو۔ یہ نہیں فرماتے کھانا اٹھالو کیوں کہ کھانا اٹھالو کا جملہ رزق اٹھنے کے محاورے کے لحاظ سے برے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح لالٹین کا چراغ بجھانے کے لیے حکم دیتے تو فرماتے چراغ بڑھا دو۔ یہ وہ معمولات تھے جن میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں دیکھی گئی۔ یہ ان کا وہ حسن ادب تھا جو اپنے بزرگوں کی پاکیزہ محبت میں میسر آتا تھا۔
(۳۸) نماز میں گلے تک کرتے کے بٹن بند رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ آستین چڑھا کر نماز پڑھنے کو منع فرماتے تھے۔ اسی طرح پتلون کے پائینچے چڑھا کر نماز پڑھنے کو بھی منع فرماتے تھے۔ عمامہ پہنتے تو سخت اہتمام کرتے کہ ٹوپی نظر نہ آئے۔
(۳۹) مزدوروں کو دن میں ایک بار سے زیادہ چائے پلواتے، اگر گرمی کا موسم ہوتا تو لسی پلواتے یہ وطیرہ ہمیشہ جاری رہا مرض وصال میں بھی۔
(۴۰) اکثر اپنے چھوٹوں کی محفل میں بزرگوں کے واقعات بہت دلچسپی کے ساتھ سناتے۔ حکایتوں میں واقعات کی ترتیب ہمیشہ یکساں رہتی۔ یہ واقعات ان کی زبان سے اتنے تواتر کے ساتھ سنے ہیں کہ بہت سی خاندانی روایتیں ان کے بچوں کو ازبر ہوگئی ہیں۔ شاید یہی ان کا بھی قصد رہا ہو کہ علم سینہ کی روایت خاندان میں ختم نہ ہو۔
(۴۱) چھپکلی سے بالکل نہیں ڈرتے تھے۔ کوئی نشان دہی کرتا کہ آپ کے پلنگ پر چھپکلی ہے تو اسے بہت آہستگی سے ہٹا دیتے تھے، وحشت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔
(۴۲) شعرا میں حضرت حسان، جامی، سعدی، مولانا روم، خسرو، میر، غالب، داغ اور سب سے زیادہ اعلیٰ حضرت کے اشعار پڑھتے۔ اشعار پڑھتے وقت ایک عجیب جذبے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ یہی حال تب ہوتا جب وہ حضور صاحب البرکات کے اشعار پڑھتے تھے خصوصاً ان کے ترجیع بند کے اشعار۔
(۴۳) صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اولیاے کرام میں حضور غوث پاک، حضور خواجہ معین الدین چشتی اور حضور صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر سب سے زیادہ فرماتے۔
(۴۴) سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد پیغمبروں میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرماتے۔
(۴۵) مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی انھیں مزارات کا بوسہ لیتے دیکھا ہو۔
(۴۶) خود کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رکھنے کے لیے پابندی سے ریڈیو پر خبریں سنتے تھے۔ شب جمعہ میں پاکستان ریڈیو سے میلاد بھی بہت شوق کے ساتھ سنتے تھے۔
(۴۷) مہمانوں کی ضیافت بہت شوق سے فرماتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ گھر پر آنے والا کھانا کھا کر جائے یا کم از کم ناشتہ ہی کرلے۔ وہ بھی نہیں تو چائے تو ضرور پی کر جائے۔
(۴۸) دستاویزات اور خاندانی کتابوں کے نادر نسخوں کے بارے میں اکثر ہم بچوں کو تشریح و وضاحت کے ساتھ بتاتے تھے کہ فلاں چیز فلاں یا فلاں الماری میں ہے۔ اکثر یہ جملہ بھی کہتے۔ یاد رکھو میرے بعد یہ بات بتانے والا کوئی نہیں ہے۔
(۴۹) رات کو عشا کے ایک گھنٹے بعد سونے کے لیے لیٹ جاتے تھے کہ فجر سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بیدار ہونے کی عادت تھی۔
(۵۰) کسی بھی امتیاز کے حصول پر دعاؤں کے علاوہ مادّی انعامات

سے ضرور نوازتے تھے۔ عم محترم حضرت حسین میاں صاحب مدظلہ نے جب داڑھی رکھی تو اس خوشی میں پانچ سو روپے کا انعام عطا ہوا۔

(۵۱) تعویذ دینے اور نمک شکر پانی دم کرنے میں بہت فیاض تھے۔ قرب وجوار، دور و نزدیک کے مرد اور عورتوں کا خانقاہ میں تانتا لگا رہتا۔ اللہ کے کلام کی برکت سے سبھی کی مرادیں بھی خوب پوری ہوتی تھیں۔ کوئی ناسمجھ تعویذ لے کر اگر ان کی طرف رقم بڑھاتا تو ہنس کر اس سے کہتے کی اس کی مٹھائی لے کر اپنے گھر لے جانا۔

(۵۲) بزرگوں کے یومِ وصال کے روز درگاہ معلی میں جاکر ایصال ثواب ضرور کرتے اور اکثر یہ محفل کی شکل میں ہوتا تھا۔

(۵۳) اپنے مریدوں (جن کو وہ "احباب" کے نام سے یاد کرتے تھے) سے ان کے اہل خاندان کی خیریت ضرور دریافت فرماتے تھے اور روزگار، تعلیم اور دیگر معاملات کے سلسلے میں انھیں مفید مشورے بھی دیتے تھے۔

(۵۴) کار میں ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھتے اور دیکھتے کہ ۵۵/۶۰ر کلو میٹر فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار پر گاڑی نہ چلائی جائے۔

(۵۵) جہالت سے نفور رہتے تھے اور علم اور اہل علم کی بہت توقیر فرماتے تھے۔ علم دینی کے علاوہ علم دنیا کے بھی قدر دان تھے۔

(۵۶) غریبوں سے محبت فرماتے تھے لیکن غربت مرغوب نہیں تھی۔ فرماتے تھے کہ مفلسی ہو تو اس زمانے میں انسان عبادت بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتا۔ وہ رہبانیت بھی ناپسند فرماتے تھے۔ اِرشاد فرماتے تھے کہ اسلام کا سبق متوازن زندگی گزارنا ہے۔

(۵۷) ہمیشہ مخاطب کے علم وفہم اور زبان دانی کی صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے۔ وعظ میں اگر کوئی مشکل اصطلاح آجاتی تو اس کے آسان مترادفات کے ڈھیر لگا دیتے۔ مخاطب کا چہرہ دیکھ کر اندازہ کرتے کہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ نہیں، جب مطمئن ہو جاتے تب مضمون آگے بڑھاتے۔

(۵۸) صبر پر حد درجہ عامل تھے۔ ہزاروں افراد اس کے گواہ ہیں کہ انھوں نے صبر کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ اپنی بڑی بیٹی کو شب میں دفن کیا اور صبح بقر عید کی نماز پڑھا کر خطبہ پڑھ کر ایک نظر تازہ قبر پر ڈالی اور تمام افراد کو بقر عید کی مبارک باد پیش کی۔

(۵۹) از خود اپنی جسمانی تکلیفوں کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ کوئی تیمار دار عیادت کرنے والا یا ڈاکٹر پوچھتا تب البتہ تفصیل سے بتاتے لیکن وہ بھی اس حد تک نہیں کہ پوچھنے والا پچھتانے لگے۔

(۶۰) روپے پیسے بہت بے ترتیبی سے رکھتے تھے۔ تکیے کے نیچے، گدے کے نیچے، چادر کے نیچے، ڈائری میں، رومال میں، سرہانے، پائینتی غرض ہر جگہ کچھ نہ کچھ نقدی رکھی رہتی تھی۔ سب کو سمیٹ کر یکجا کرنے کی کوشش کرتے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضور احسن العلما روپے کو اپنے پیروں کے نیچے رکھتے تھے۔ بحر العلوم سچ فرماتے ہیں۔ یہی ہم اولادوں کو بھی مشورہ رہا۔

(۶۱) مسجد کھڑک ممبئی کے حجرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اس میں میرے بھائی صاحب علیہ الرحمہ کی روح کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

(۶۲) سفر سے واپس ہوتے تو سب کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتے۔ میرے لیے اکثر بنیاین اور رومال لے کر آتے تھے۔ ہم شیرہ صاحبہ اور اہلیہ صاحبہ کے لیے کپڑے لے کر آتے تھے۔ ملازمین کو بھی حسب فرمائش چیزیں لا کر دیتے تھے۔ بچپن میں اگر ان سے کوئی فرمائش کی تو فوراً قبول فرمائی۔ بمبئی سے مارہرہ شریف آنے میں دیر تھی۔ بڑے ابا علیہ الرحمہ پہلے آنے والے تھے۔ انھیں کے ذریعہ بھیج دی تاکہ میرا انتظار لمبا نہ کھنچے۔ یہ فرمائش ایئر رائفل سے متعلق تھی۔

(۶۳) قفل لگا کر اسے اچھی طرح کھینچ کر دیکھتے کہ صحیح لگ گیا۔

(۶۴) بازاروں میں گھومنا پسند نہیں تھا۔ بچوں کو نصیحت فرماتے کہ بازار میں گھومنے پھرنے سے بہتر ہے فیلڈ میں جاکر کھیلو اور کھیتوں باغوں کی سیر کرو۔

(۶۵) معذوروں کی مدد کرنے میں بہت حریص تھے۔ کئی معذور افراد ان سے اپنا مقررہ اپنے اپنے معینہ وقت پر وصول کرتے تھے۔

(۶۶) چبا چبا کر بات کرنے کو بہت ناپسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو واضح انداز میں کہو۔ خود بھی بہت واضح انداز میں گفتگو فرماتے تھے۔

(۶۷) روزنامچہ پابندی سے لکھا کرتے تھے۔ جب مصروفیات بہت بڑھ گئیں تو رجسٹروں کے بجائے چھوٹی چھوٹی ڈائریوں پر یادداشت لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اعراس میں علمائے کرام خصوصاً بڑے ابا حضرت سید العلما علیہ الرحمۃ کے وعظ کے نوٹس ضرور تیار کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆..............**(جاری)**

ایک گمنام صوفی

تاج العارفین حضرت داتا نداشاہ علیہ الرحمہ

مولانا محمد عادل

خدائے بزرگ و برتر کے ایسے بندے ہر دور میں ہوتے رہے ہیں کہ جنھوں نے اپنی مکمل زندگی خداوند لاشریک کے ذکر و فکر میں صرف کر دی، بعض تو صرف ستو کا گھول پی کر توکل کے ساتھ اپنی زندگی کے شب و روز بسر کرتے رہے۔ ایسی ہی جماعت بابرکت سے تعلق رکھنے والوں میں ایک قابلِ ذکر نام تاج العارفین حضرت داتا نداشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے جو صوبہ اتر پردیش کے ضلع سلطان پور کے قدیم قصبہ دوست پور کے موضع بڑھولی میں رہتے تھے۔

ابتدائی حالت: تاج العارفین حضرت داتا نداشاہ علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مہواڈابر ضلع بستی (یوپی) میں ہوئی، کم سنی ہی میں والدین نے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا تھا، اور آپ یتیمی اور بے کسی کے حالات میں دس سال کی عمر میں ترکِ وطن کیا اور یہاں وہاں کی خاک چھانتے ہوئے کسی طرح موضع لوک ناتھ پور پہنچے۔

تاریخ کے مطالعہ سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں نونہالانِ ملت کے لیے ایک مکتب تھا اور غریب و نادار طالبانِ علومِ دینیہ وہاں قیام و طعام کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ ندا شاہ بھی اسی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے، کچھ عرصہ بعد ایک دن آپ کو جستجو ہوئی اور آپ نے اپنے استاذ گرامی سے ایک چھوٹا سا سوال کیا کہ حضرت اس مکتب کی کفالت کون کرتا ہے؟ استاذ نے مشفقانہ جواب دیا کہ اس مدرسہ کے ناظم قصبہ دوست پور کے مشہور و معروف بزرگ شیخ بشارت علی المعروف روشن علی شاہ ہیں، یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔

کچھ دن گزر جانے کے بعد آپ کے دل میں اور ایک حسرت پیدا ہوئی کہ کیوں نہ ناظمِ مدرسہ سے ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ ایک شام اسی جستجو میں استاذِ محترم سے اپنا حالِ دل بیان کر کے ناظمِ مدرسہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ استاذِ گرامی وقار نے بخوشی اجازت عطا فرماتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ بیٹا جاؤ، ضرور جاؤ، لیکن خبر دار دورانِ حاضری ادب و لحاظ کا مکمل پاس رکھنا اور ان کے حضور میرا مودبانہ سلام بھی پیش کر دینا۔ اب کیا تھا، استاذ محترم کی رضامندی حاصل کر کے خوش و خرم دوسرے ہی دن دوست پور کے لیے پیدل ہی نکل پڑے۔

خانقاہ پہنچتے ہیں تو دیکھ رہے ہیں کہ ایک نورانی پیکر لوگوں کے ہجوم میں جلوہ بار ہے۔ آپ کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ آپ ہی وہ مشفق و محترم ہستی ہیں، جن کی روشنی سے گرد و نواح چہار جانب علم و ادب اور روحانیت و عرفانیت کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت روشن علی شاہ کی نظر جیسے ہی حضرت ندا پر پڑی، فوراً ہی پہچان گئے "ولی را ولی می شناسد" یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے، بلکہ مستقبل کا ولی کامل ہے۔ مجلس برخاست ہوئی، نداشاہ سے مشفقانہ لب و لہجہ میں گفتگو فرمائی، لیکن کھانا کھانے کے بعد ندا کا شاہ کا رنگ اسی وقت فق ہو گیا جب خاص مریدین کے ہمراہ انھیں ان کے آبائی وطن مہواڈیہ ڈابر بستی بھیجنے کی تیاری شروع ہونے لگی۔ لیکن ادب کا پاس تھا، کچھ کہنے سے عاجز تھے اور گھر پہنچ گئے۔ گھر پہنچنے کے بعد انھیں سکون میسر نہ آیا اور چند دنوں کی اضطرابی کیفیت کے بعد بے قراری کے عالم میں پھر خانقاہ میں حاضر ہو گئے۔ روشن علی شاہ نے نظرِ عنایت فرمائی اور ان کی تعلیم و تربیت کرنے لگے۔ نداشاہ فقرا کی خدمت سے بہت خوش ہوئے، اپنے شیخ کی طرح عبادت و ریاضت میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے، "اللہ ہو" کا ذکر خوب کیا کرتے تھے۔ شیخ یہ دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور فرطِ مسرت سے ایک نگاہِ عنایت ڈالی تو آپ کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔

طلبِ بیعت: ایک دن صبح ہی نداشاہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک عریضہ پیش کیا کہ حضور خادم کو اپنا مرید بنا کر گلے میں غلامی کا پٹہ ڈال دیجیے۔ یہ سن کر روشن علی شاہ مسرور ہو اٹھے اور فرمایا یہ میری اور تمھاری فیروز بختی ہے کہ میرے پیر و مرشد سیدنا الشاہ مجرد المعروف صدا شاہ پٹنوی ابھی حیات ہیں، چلو دربار میں حاضری دیتے

ہیں۔ کچھ دنوں بعد روشن علی شاہ ندا کو لے کر دربارِ پیر میں حاضر ہوئے اور اپنا عریضہ پیش کیا۔ صدا شاہ نے ایک توجہ خاص فرمائی تو ندا شاہ کا عالم عجب ہو گیا۔ دل کی دنیا ہی بدل گئی، ندا شاہ کو بیعت کیا اور ولایت کی منزلیں طے کرا دیں۔ علومِ ظاہری و باطنی کے رموز و نکات سمجھائے، نیز سلسلے میں مروجہ وظائف و اوراد سے آگاہ فرمایا اور خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

سلسلہ کا شجرہ مندرجہ ذیل ہے:

ندا شاہ، سیدنا صدا شاہ، سلطان قبول شاہ، قطب الاقطاب شاہ بسنت، حضرت شاہ شہباز غریب نواز، حضرت شاہ شجاول دیوان، آفتابِ شریعت دیوان شاہ ارزانی، حضرت بہلول دریائی، حضرت دادا میر حیات قلندر، حضرت سید عبد الرزاق، حضرت سید شاہ نور الدین، غوثِ اعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی، حضرت ابو سعید مبارک مخزومی، سیدنا حسن ہنکاری، سیدنا ابو الفرح طرطوسی، عبد الواحد ابن عبد العزیز، حضرت ابو بکر شبلی، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی معروف کرخی، حضرت داؤد طائی، حضرت خواجہ حبیب عجمی، حضرت خواجہ حسن بصری، سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت خواجۂ عالم سیدنا محمد عربی ﷺ۔

پیر و مرشد سے اجازت پا کر یہ دونوں اللہ کے مقرب بندے اپنی خانقاہ میں تشریف لائے اور یادِ خدا میں مصروف ہو گئے۔

حضرت روشن علی شاہ کو ایسے جانشین کی ضرورت اور تلاش تھی جو جامع شریعت و طریقت کے ساتھ ساتھ مسلک فقیرانہ کی نیز آثارِ مبارکہ کی محافظت بحسن و خوبی انجام دے سکے اور یہ تمام اوصافِ جمیلہ حضرت شاہ ندا کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔

آپ نے معتقدین، مریدین، متوسلین اور مقربین کو جمع کر کے فرمایا، اے لوگو! اب میں نحیف و ضعیف ہو چکا ہوں، معلوم نہیں کب معبودِ حقیقی کا بلاوا آجائے اور روح تن سے جدا ہو جائے، اس لیے بغیر جبر و اکراہ میں بخوشی وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میرا جانشین میرا ندا ہو گا، کیوں کہ میں اس کے اندر تمام خوبیاں دیکھ چکا ہوں، باوجود اس کے اس کو لازم ہو گا کہ یہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ساتھ ہی سلسلہ عالیہ قادریہ کے طریقِ کار اختیار کرے، نیز لوگوں سے پیار و محبت سے پیش آئے، ہمیشہ صابر و شاکر رہے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔

جب روشن علی شاہ کو یقین ہو گیا کہ عن قریب ہی واصل بحق ہونے کی باری ہے تو ندا شاہ کو اپنے قریب بلایا اور راز و نیاز کی باتیں بتائیں اور بزرگوں کے آثار و تبرکات ان کے حوالے فرمائے، چند دنوں بعد آپ کی طبیعت خراب ہوئی، مریدین و متوصلین ارد گرد جمع ہوئے، آپ نے مشفقانہ اور طائرانہ نگاہیں موجودہ لوگوں پر ڈالیں اور آنکھیں بند فرمائیں، لب پر کلمۂ طیبہ جاری ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے سہ پہر ولایت کا چمکتا سورج غروب ہو گیا۔ مزارِ مقدس خانقاہ سے متصل قطعہ اراضی پر منبع فیوض و برکات ہے۔

ندا شاہ کے شب و روز: اس طرح داتا ندا شاہ علیہ الرحمہ اس خانقاہ کے پہلے سجادہ نشین ہوئے، آپ نے پوری زندگی صوفیانہ مسلک و مشرب کے مطابق بسر فرمائی اور ہمیشہ الفقر فخری کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھا اور یہی آپ کا نصب العین رہا، بیش تر ایام روزے میں گزرتے، کسی سے کچھ طلب کرنا ذلت و رسوائی سمجھتے رہے۔ گولر کے درخت خانقاہ میں تھے، اسی کے پھل صاف کر کے پانی راکھ ڈال کر ابالتے اور وہی نوش فرمایا کرتے تھے۔

ایک رات جب آپ عبادت میں مصروف تھے، آدھی رات کے قریب ایک شخص نے آواز دی، خادم نے پھاٹک کھولا، وہ شخص خانقاہ میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ندا شاہ مصروفِ عبادت ہیں، ادب سے وہیں بیٹھ گیا، صبح ہوئی تو ندا شاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں انگریز رسالدار ہوں، رات میں سو رہا تھا کہ اچانک کوئی میرے پاس آیا اور کہا کہ اٹھ اسی وقت ندا شاہ کی خدمت کر۔ میں فوراً حاضر ہوا لیکن آپ کو مصروفِ عبادت پایا اور یہیں بیٹھ رہا۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ ندا شاہ خاموش رہے، کئی بار اصرار کرنے پر آپ نے فرمایا مجھے میرا رب کافی ہے۔ پھر بھی اس نے پچیس روپے نذر کیے اور ماہانہ رقم باندھ دی۔ آپ وہ رقم فقرا و مساکین پر خرچ کرتے اور لنگر خانہ کا انتظام چلاتے تھے، یوں ہی آپ کے ایام فاقہ مستی میں گزر رہے تھے کہ ایک روز غیب سے ایک دیگ نمودار ہوا اور آپ کے سامنے رکھ گیا۔ اور آواز آئی کہ جتنی ضرورت ہو نکال لیجیے، لیکن آپ نے توجہ نہ فرمائی، پھر تھوڑی دیر کے بعد گھن گھن کی آواز کرتا ہوا دیگ آگے بڑھا اور غائب ہو گیا۔

حضرت روشن علی شاہ کے وصال کے بعد حضرت ندا شاہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیر و مرشد کو حالات سے

آگاہی ہوئی تو فرمایا، جاؤ، ندا تمھارے سرہانے روز دو پیسے ملا کریں گے، اس سے انتظامِ خانقاہی انجام دینا۔ اس پیسے کو کبھی اپنے مصرف میں نہ لانا، چناں چہ عمر بھر روزانہ وہ دو پیسے آپ کو ملتے رہے اور آپ اسے فقرا و مساکین پر صَرف کرتے رہے۔ بارگاہِ پیر میں حاضری دینے کے بعد آپ نے اپنا قدم خانقاہ سے باہر نہ نکالا، خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور فقرا و مساکین کی دل جوئی اور ذکرِ الٰہی کے سوا آپ کو دوسری چیزوں سے دل چسپی نہ رہی۔ آپ کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا۔ رؤسا، امرا اور والیانِ ریاست حاضری دیتے رہے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ لوگ تکیہ کے باہر ہی اپنی سواریوں سے اتر جاتے اور والہانہ خانقاہ میں آکر قدم بوسی کیا کرتے اور نذر و نیاز پیش کرتے۔ خانقاہ کا لنگر خانہ سب کے لیے عام تھا، جو بھی آتا شکم سیر ہو کر جاتا۔

کشف و کرامات: آپ صاحبِ کرامات تھے، جو بات زبان سے نکلتی اسے حق تعالیٰ پوری فرماتا۔ آپ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ محلہ تکیہ ندا شاہ میں سانپ کاٹنے سے کسی کی ہلاکت نہیں ہوئی، بسا اوقات سانپ نے ڈسا لیکن زہر زائل ہو گیا۔ اہلیانِ تکیہ اپنے اس محسن کو آج بھی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ آپ کی ایسی ہی شہرت سن کر موضع منشا پور اکبر پور، فیض آباد (موجودہ ضلع امبیڈکر نگر) کا ایک نامور سادھو نہال داس کشکول (تمڑی) لے کر حاضر ہوا اور خانقاہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ سادھو کی تمڑی بھر دو۔ خدام نے کئی من آٹا ڈال دیا لیکن تمڑی تھی کہ بھرنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ مریدوں نے سارا واقعہ حضرت کو من و عن سنایا۔ حضرت نے مراقبہ کیا اور ایک چٹکی آٹا لے کر خانقاہ کے پھاٹک پر آئے اور کہا کہ "نہال اپنی تمڑی سنبھال" ندا بھیک دے رہا ہے۔ گھنٹوں یہ سلسلہ جاری رہا، دیکھنے والے حیران و پریشان تھے کہ نہ تمڑی بھر رہی ہے، نہ ہی چٹکی کا آٹا ختم ہو رہا ہے، کیا عجیب ماجرا ہے؟ آخر نہال داس کے پیٹ میں زوروں کا درد اٹھا اور نڈھال ہو کر قدموں میں گر پڑا۔ اٹھ کر پیشانی کو بوسہ دیا اور معافی کا طلب گار ہو کر کہنے لگا کہ آپ کا نام جیسا میں نے سنا تھا آپ ویسے ہی سچے فقیر ہیں۔ میں آپ کی آزمائش کر رہا تھا، میں اپنی کٹ میں آپ کا آدھا حصہ مقرر کرتا ہوں۔ حضرت ندا شاہ نے فرمایا: نہال داس مجھے میرا رب کافی ہے۔ کسی سے کوئی طلب نہیں اور نہ ہی درکار ہے۔ یہ سن کر وہ اپنی کٹی کو واپس ہو گیا، آج بھی اس کٹی کے جتنے بھی مٹھادھیش ہوتے ہیں صبح کو اٹھ کر دوست پور کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں: اے بابا ندا شاہ میرے گرو نے آپ سے بھیک مانگی تھی، سو میں بھی آپ سے بھیک مانگتا ہوں۔

مشہور واقعہ ہے کہ دوست پور میں ایک بار ہیضہ و طاعون کی وبا نہایت شدت اختیار کر گئی اور تیزی سے آبادی کو اپنی زد میں لینے لگی، لوگ آہ و زاری کرتے ہوئے خانقاہ میں حاضر ہوئے اور عریضہ پیش کیا کہ سرکار آپ ہی کچھ کیجیے کہ ہمیں اس وبا سے نجات حاصل ہو، واضح رہے کہ ان عرضی پیش کرنے والوں میں ہندو اور مسلمان سب شامل تھے۔ آپ کو لوگوں کی حالتِ زار پر رحم آگیا اور آپ فوراً اٹھے اور اپنا عصا ہاتھ میں لے کر بلند کرتے ہوئے بلند آواز سے للکارتے ہوئے فضا میں عصا لہراتے جاتے اور کہتے جاتے کہ میرے علاقے سے دور ہو جا نہیں تو مار مار کر چور کر دوں گا، لوگ حیران تھے کہ سرکار کس کو پھٹکار رہے تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، تھوڑی دیر بعد آپ نے حاضرین سے واپس ہونے کو کہا، اسی دن سے پورے قصبہ میں امن و امان ہو گیا اور آج تک ہیضہ و طاعون سے علاقہ دوست پور الحمد للہ محفوظ و مامون ہے۔

اسی طرح بہت سی کرامات وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہیں، سب کا ذکر باعثِ طوالت ہوگا، اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

محبتِ اہلِ بیت: حضرت ندا شاہ اہلِ بیتِ کرام سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، اکثر ذکرِ اہلِ بیت کیا کرتے تھے۔ مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تو ایسے عاشق تھے کہ روزانہ ان کا ذکرِ جمیل ضرور کرتے۔ ایک بار فضل علی شاہ جو قوم جنات سے تھے اور اکثر خدمتِ عالیہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا کرتے تھے، عشق و محبت کی باتیں سن کر مسرور ہوا کرتے تھے، ایک پتھر لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور اسے بطور تحفہ اپنے پاس رکھ لیجیے، یہ نعمت خداوند کریم کی جانب سے آپ کے لیے مختص تھی۔ ندا شاہ نے پنجہ کا نشان دیکھا تو پوچھا یہ کیا؟ فضل علی نے بتایا کہ یہ حضور سیدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ کرم کا نقشہ ہے۔ ایک دفعہ مولا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پنجہ اس پتھر پر رکھا تھا تو پتھر نے اسے اپنے سینے میں تعظیماً محفوظ کر لیا۔ ندا شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ سن کر فرطِ عقیدت میں جھوم اٹھے اور بے ساختہ بوسہ دیا اور حجرے میں نصب کرا دیا۔ الحمد للہ وہ پنجہ خانقاہ میں آج تک موجود ہے اور خانقاہ کے اہم تبرکات میں شامل ہے۔ اس کی زیارت شبِ عاشورا میں محبانِ اہلِ بیت کیا کرتے ہیں۔

مشہور خلفائے کرام: تاج العارفین حضرت ندا شاہ کو پیری

مریدی کا شوق نہ تھا، لیکن اگر کوئی متمنّی ہوتا تو اسے مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔ آپ کے مرید کرنے کا طریقہ بھی بڑا عجیب تھا، قبر کھودوا کر اس میں خود اترتے اور بیعت ہونے والے کو بھی اترواتے اور پھر اسے مرید کیا کرتے تھے اور اسے اللہ والا بنا دیتے تھے۔ آپ کے مریدوں کی اصل تعداد تو نہ معلوم ہو سکی البتہ کچھ خاص نام یہ ہیں:

(۱) بابا جمیعت شاہ مرید و خلیفہ حضرت ندا شاہ (۲) سید حسن شاہ مرید و خلیفہ حضرت ندا شاہ (۳) درگاہی شاہ عرف معصوم علی شاہ مرید و خلیفہ حضرت ندا شاہ (۴) اظہار علی شاہ مرید و خادمِ خاص حضرت ندا شاہ (۵) چراغ علی شاہ مرید حضرت ندا شاہ۔

خانقاہ کے آثار و تبرکات: (۱) سید نا روشن علی شاہ کا تخت و بستر۔ بستر کے دھاگے تبرکاً لوگ لے جاتے اور تعویذ بنا کر گلے میں ڈالتے اور شفا پاتے، اب اس پر پابندی لگا دی گئی ہے (۲) تاج العارفین، حضرت ندا شاہ علیہ الرحمۃ کا تخت و بستر۔ چھوٹا سا تخت اور مختصر سا بستر، بستر کا کافی حصہ لوگ تبرکاً لے جا چکے ہیں، باقی حصہ محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس پر پابندی لگا دی گئی، نہیں تو اب تک بستر ختم ہو گیا ہوتا۔ (۳) حضرت معصوم علی شاہ مرید و خلیفہ ندا شاہ کی چارپائی و بستر۔ حضرت معصوم علی شاہ مرید و خلیفہ ندا شاہ سے منسوب چارپائی و بستر خانقاہ میں تبرکاً محفوظ ہے۔

خرقہ: خانقاہ کے بانی و مورثِ اعلیٰ سید نا روشن علی شاہ سے ہوتا ہوا یہ خرقہ موجودہ سجادہ نشیں تک پہنچا ہے، اس میں ایک چوترکہ، ایک کفی (۲) تاج قلندری، کنٹھا، تسبیحات، کفلایہ، عصا، ظفر تکیہ، وغیرہ شامل ہیں۔ ان تبرکات کی زیارت دورانِ عرس کرائی جاتی ہے۔

عمارتیں: خانقاہ سے متصل ایک شان دار مسجد بنام اولیا مسجد (جدید تعمیر شدہ)۔ پہلے یہاں ایک مسجد ندا شاہ نے تعمیر کرائی تھی، جس میں خود حضرت ندا شاہ با جماعت نماز ادا کرتے تھے، امام باڑہ، حجرہ پنجہ شریف، گدی یعنی خاص خانقاہ، بھنڈار خانہ وغیرہ موجود ہیں۔ خانقاہ کے آثار و کہنہ سفالہ پوش عمارتیں آج بھی خانقاہ کی عظمتوں اور شان دار ماضی کی غماز ہیں۔

وصال: تاج العارفین رجب بارہ سو ساٹھ ۱۲۶۰ھ میں علیل رہنے لگے، ایک دن مریدین و متوسلین کو جمع فرمایا اور فرمانے لگے، لوگو! وہ ساعت قریب ہے کہ جب یہ بندۂ خدا مالکِ حقیقی سے جا ملے گا، اس لیے معصوم علی شاہ عرف درگاہی جن کے اندر اوصافِ فقرا موجود ہیں، میں ان کو اپنا جانشین منتخب کرتا ہوں۔ میری رحلت کے بعد وہ اس خانقاہ کے سجادہ نشیں ہوں گے اور وہ قرآن و سنت کی تعلیم کے ساتھ جو قدیم رسومات یہاں سے جاری ہیں، انھیں وہ بھی جاری رکھیں گے۔ بعدۂ معصوم علی شاہ کو تبرکات سے نوازا، جمعرات کا دن تھا، طبیعت مزید خراب ہوئی، جمعہ کی شب مورخہ ۲۳/ رجب المرجب ۱۲۶۰ھ کو خانقاہ کے اندر واصل بحق ہوئے۔ بعد نمازِ جمعہ لوگوں کے ازدحام میں آپ کی آخری رسومات ادا ہوئیں، لوگ کثرت سے اپنے اس محسن کے آخری دیدار کے لیے امڈ پڑے، آخر بعد نماز، جنازہ سید نا شیخ بشارت علی المعروف روشن علی شاہ کے مزار اقدس سے مغربی جانب سپردِ خاک ہوئے، مزارِ اقدس آج بھی مرجع خلائق ہے۔

بہ سن یک ہزار دو صد شست
بروز جمعہ المبارک بالیقیں
شہر رجب مورشہ بست و سہ
ندا شاہ گشتند جنت نشیں

۲۳/ رجب ۱۲۶۰ھ

آج بھی تاج العارفین حضرت ندا شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا آستانہ اپنی روحانی شان و شوکت کے ساتھ شاد و آباد ہے۔ اور ہر روز صبح سے شام تک نہ جانے کتنے افراد آستانۂ مقدس پر حاضری دیتے ہیں اور اپنا دامن گوہرِ مراد سے بھرتے ہیں۔ خانقاہ کے فیضان آج بھی الحمدللہ جاری و ساری ہیں اور آستانہ مرکزِ رشد و ہدایت ہے۔

تقریباتِ عرس: خانقاہ عالیہ میں حضرت داتا ندا شاہ کا عرس مبارک سال میں دو بار منعقد ہوتا ہے، بہ اعتبار قمری ہر سال ۲۳/ رجب المرجب یعنی حضرت داتا ندا شاہ کی تاریخ وصال کے موقع پر اور بہ اعتبارِ شمسی ۲۵/ اپریل کو بھی ہر سال تقریبات عرس کا اہتمام تزک و احتشام کے ساتھ ہوتا ہے۔ ☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں
مولانا ہارون رشید مصباحی
عزیزی کتاب گھر، بڑہریا، ضلع سیوان (بہار)
9955020974

امریکہ میں اسلام کی برتری اور عیسائیت کی کمزوری

ڈاکٹر غلام زرقانی

ہر مذہب کے ماننے والے ہجرت کر کے امریکہ آرہے ہیں، تاہم عیسائیوں کی تعداد میں مسلسل کمی ہو رہی ہے

یہ درست ہے کہ عہد جدید میں مادیت پرستی بڑھ رہی ہے اور دوسری جانب مذہبیت کمزور ہو رہی ہے، لیکن مذہب اسلام اس عمومی کیفیت سے قطعی مستثنیٰ ہے۔ اور یہ حقیقت نہ تو کسی مفروضے پر مبنی نہیں ہے اور نہ ہی میرے مذہب اسلام سے گہری وابستگی، جنوں خیز محبت اور پروانہ وار شیفتگی کے زیر اثر ہے، بلکہ ایسے سروے کی بنیاد پر ہے، جسے ہم نے نہیں بلکہ دوسروں نے کیا ہے۔ آئیے ہم اس حقیقت کو پیو ریسرچ کے زیر اہتمام کیے جانے والے ۲۰۰۷ء اور ۲۰۱۴ء کے درمیان تقابلی مطالعہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابھی حال میں پیور یسرچ نے امریکہ کے ۳۵۰۷۱ نوجوانوں سے سوالات کے نتیجے میں اپنی تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۰۰۷ء میں ۲۲۷ ملین جوانوں میں سے ۱۷۸ ملین عیسائیت پر یقین رکھتے تھے، یعنی ٪۷۸ عیسائی تھے، تاہم ۲۰۱۴ء میں ہونے والے سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی میں ۱۸ ملین کے اضافے کے باوجود عیسائیوں کی تعداد گھٹ کر ۱۷۳ ملین ہوگئی ہے، یعنی ٪۷۱ رہ گئی ہے۔ اس طرح تقریباً پچھلی تعداد میں ۵ ملین افراد کی کمی واقع ہوئی ہے۔

اب اسے عیسائیت کے دو بڑے فرقوں کے تناظر میں دیکھیے۔ کہتے ہیں کہ ۲۰۰۷ء میں پروٹسٹنٹ کی تعداد ۴۱ ملین تھی، جو ۲۰۱۴ء میں گھٹ کر ۳۶ ملین رہ گئی ہے۔ اس طرح ۵ ملین کی کمی واقع ہوئی ہے۔ سروے کرنے والے، سیاہ فام پروٹسٹنٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ۲۰۰۷ء میں ان کی تعداد ۱۶ ملین تھی، جو برائے نام اضافہ کے ساتھ ۱۶ ملین تک ہی محدود رہی ہے۔ میرے خیال میں اگر بیرون ملک سے آنے والے سیاہ فام پروٹسٹنٹ کی تعداد کے تناظر میں دیکھا جائے تو بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۲۰۰۷ء اور ۲۰۱۴ء کے درمیان تقابلی جائزہ کی روشنی میں یہ تعداد گھٹی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ۲۰۰۷ء میں ۵۴ ملین کیتھولک سرزمین امریکہ میں رہتے تھے، جن کی تعداد ۲۰۱۴ء میں گھٹ کر ۵۱ ملین رہ گئی ہے۔ یعنی ۳ ملین کی صاف کمی واقع ہوئی ہے۔

دوسری جانب لادینیت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ سروے کے مطابق ۲۰۰۷ء میں ایسے افراد کی تعداد ۳۷ ملین تھی، جو اپنے آپ کو کسی بھی مذہب سے وابستہ کرنے سے انکار کرتے تھے، تاہم ۲۰۱۴ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۵۶ ملین تک جا پہنچی ہے۔ اس طرح لادینیت کے سائے میں شب و روز گزارنے والوں کی تعداد میں ۱۹ ملین کا زبردست اضافہ ہوا ہے۔ اسے آپ ایک دوسرے پس منظر میں یوں سمجھیں کہ ۱۹۶۰ء میں ٪۱۹ شادیاں بین المذاہب ہوا کرتی تھیں، جب کہ اب ہر دس میں سے چار یعنی ٪۳۹ شادیاں بین المذاہب ہو رہی ہیں۔ یہاں لادینیت کے حوالے سے بارنا گروپ کی صدر کی تحقیق بہت واضح ہے، وہ لکھتی ہیں کہ لادینیت زیادہ تر ہائی اسکول اور کالج کے بچوں میں پھیل رہی ہے۔ ان میں مرد، عورت، کالے، گورے اور لاطینی ممالک سے تعلق رکھنے والے نوجوان شامل ہیں۔

اور اب یہ حقیقت بھی سنتے چلیے کہ ۲۰۰۷ء میں امریکہ کی مجموعی آبادی کا ٪۰۔۴ مسلمان ہوتے تھے، جو ۲۰۱۴ء میں بڑھ کر ٪۰۔۹ تک جا پہنچے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی آبادی میں تقریباً ٪۰۔۵ کا واضح اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کی آبادی ۲۰۰۷ء میں ٪۰۔۴ سے بڑھ کر ۲۰۱۴ء میں ٪۰۔۷ ہوگئی ہے، یعنی تقریباً ٪۰۔۳ کا قدرے اضافہ ہوا ہے۔ ہندوؤں کی آبادی میں اضافہ کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہندوستان سے بڑی تعداد میں مختلف میدانوں کے ماہرین کام کرنے کے لیے آئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ امریکہ میں رہنے والے ہندوؤں کے یہاں طبعی طور پر بچوں کی ولادت اور رشتہ داروں کی آمد کثرت سے ہوئی ہے۔

آپ ملاحظہ کررہے ہیں کہ کسی زمانے میں تعداد کے لحاظ سے دنیا میں سب سے بڑا سمجھا جانے والا عیسائی مذہب کس طرح اپنے گھر میں زوال پذیر ہے۔ اور اس پر طرفہ یہ ہے کہ عیسائیت پر یقین رکھنے والے ممالک پورے اخلاص، جذبہ وامنگ اور دلچسپی کے ساتھ عیسائیت کی ترویج واشاعت میں شبانہ روز لگے ہوئے ہیں۔ کہیں بھوکوں کے لیے اہتمام طعام کے ذریعہ لوگوں کو اپنے مذہب سے قریب کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، کہیں بیماروں کی مزاج پرسی اور علاج معالجے کی آڑ میں اپنے عقائد کی تشہیر کی جارہی ہے، کہیں قدرتی آفات کے نتیجے میں پریشاں زدگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے پس پردہ ان کے دلوں اپنے مذہب کا تفوق ثابت کیا جارہا ہے، تاہم انتھک محنت، شبانہ روز جدوجہد اور شاطرانہ چالوں کے باوجود یہ امر حیرت ناک ہے کہ امریکہ میں عیسائیت کمزور ہورہی ہے۔

اور یہ حقیقت بھی پیش نگاہ رہے کہ دنیا میں تعداد کے لحاظ سے عیسائی ممالک کی اکثریت ہے اور امریکی خارجہ پالیسی کے مطابق، دوست ممالک سے آنے والے مہاجرین کے لیے کوٹہ متعین ہے ۔اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک محدود اندازے کے مطابق امریکہ ہجرت کرنے والوں میں سب سے بڑی تعداد عیسائی مذہب کے ماننے والوں کی ہوتی ہے۔ اسے آپ ایک دوسرے زاویے سے یوں دیکھیں کہ ۲۰۱۳ء میں باہر سے آنے والے مہاجرین کا ۴۶٪ لاطینی ممالک سے تعلق رکھنے والوں پر مشتمل تھا۔ اور ظاہر ہے کہ لاطینی ممالک میں عیسائیت ہی عروج پر ہے۔ لہذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ باہر سے آنے والے زیادہ تر عیسائی رہے ہیں۔ اور یہی حقیقت ایک تیسرے زاویے سے بھی ظاہر ہوجاتی ہے اور وہ یہ کہ مہاجرین امریکہ کے حوالے سے معلومات فراہم کرنے والے محکمہ کے مطابق ۲۰۱۳ء میں باہر سے نقل مکانی کرنے والوں میں ۴۸٪ سفید فام، ۲۶٪ ایشائی، ۹٪ سیاہ فام، ۱۵٪ دوسرے اور ۲٪ ملے جلے نسل کے تھے۔ اب یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے کہ سفید فام میں کس مذہب کے ماننے والے ہوں گے؟ اور لگے ہاتھوں ایک چوتھے زاویے سے بھی اسے دیکھ ہی لیجیے۔ محکمہ ہجرت کی اطلاع کے مطابق ۲۰۱۳ء میں مسلم ممالک سے ہجرت کرنے والوں کی تعداد ۴۔۲ ملین تھی، جب کہ ۵۔۱۱ ملین صرف میکسیکو سے تعلق رکھنے والے تھے۔ ظاہر ہے کہ میکسکو سے آنے والوں کے درمیان آٹے میں نمک کے برابر ہی غیر عیسائی رہے ہوں گے۔

صاحبو! مذہب کے اعتبار سے امریکہ ہجرت کرنے والوں کی درست تعداد تک رسائی ممکن نہیں ہے، اس لیے مجھے چار زاویوں سے حالات کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے، تاکہ یہ امر دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہوجائے کہ بیرونی دنیا سے امریکہ آنے والوں کی اکثریت بھی عیسائیت پر یقین رکھتی ہے۔ یہاں پہنچ کر پورے وثوق سے کہیے کہ امریکہ میں باہر سے آنے والوں کی اکثریت بھی عیسائی مذہب کے ماننے والوں کی ہے اور امریکہ کی مجموعی آبادی کی اکثریت بھی عیسائیت اپنائے ہوئے ہے، اس کے باوجود عیسائی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز کمی واقع ہورہی ہے۔

اور اسی سکہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ باہر سے امریکہ آنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد نہایت ہی کم ہے اور امریکی مجموعی آبادی میں بھی مسلمانوں کا تناسب انتہائی قلیل ہے، تاہم اس کے باوجود یہاں مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ یہ روشن وتابناک حقیقت ہمیں حیران وششدر کیے دیتی ہے، جس کی توجیہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ امریکہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں حیرت انگیز اضافہ ہورہا ہے۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ لوگ عیسائیت ترک کررہے ہیں اور تیزی سے دامن اسلام میں پناہ لے رہے ہیں ۔دوسرے لفظوں میں یوں کہ لیں کہ عیسائی عقائد ومعمولات کے فریب کا ظاہری پرکشش پردہ چاک ہورہا ہے اور اسلام کی حقانیت وصداقت، علو وبلندی اور تفوق وبرتری کے آگے بڑے بڑے ”مغرور وسرکش“ بھی سرجھکائے دست بستہ کھڑے دکھائی دے رہے ہیں۔ ☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

دار العلوم گلشن فاطمہ

بلڈنگ اے۔ بی۔ ایم۔ پبلک اسکول

محلہ ٹھاکورام، بلدری،

مراد آباد (یوپی)

تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات النّور کی روشنی میں

حیدر رضا مصباحی پورنوی

جہاد کی توہین: یہ صحیح ہے کہ ہر وہ سعی جو حق پرستی کی راہ میں کی جائے، جہاد ہے۔ نماز، روزہ اور دوسرے فرائض وواجبات کی پابندی سے ادائیگی، ایسے ہی منہیاتِ شرع سے نفس کو باز رکھنا بھی جہاد ہے، جیسا کہ "اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ لِنَفْسِهٖ." (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑے) میں اس کی طرح واضح رہنمائی فرمائی گئی ہے، بلکہ ایک حدیث پاک میں تو اقامتِ صلاۃ کو صریح الفاظ میں جہادِ اکبر فرمایا گیا ہے۔ مگر یہ جہاد ایسا نہیں، جس کے لیے خلیفۃ المسلمین کا عام ندا کروانا شرط ہو۔ ایسا نہیں کہ جب اسلامی سلطنت پر کفار و مشرکین کی فوج حملہ آور ہو، تبھی یہ جہاد فرض ہو۔ بلکہ یہ تو ایسا جہاد ہے جس سے کسی بھی عاقل وبالغ مومن کو انتہائی امن وسکون اور غایت خوف وہراس، کسی بھی حالت میں چھٹکارے کی سبیل نہیں، مگر یہ کہ اکراہ کی صورت پیش آجائے۔ کیا مذکورہ معاملات، مثلاً: سودیشی سامان کا استعمال کرنا، حکومت کے عہدوں سے استعفا دینا، طلبہ کا تعلیم ترک کرنا وغیرہ صحیح میں جہادِ دفاع کے مصادیق ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ پس انھیں جہاد کا نام دینا جہاد کی توہین نہیں تو اور کیا ہے۔ مذکورہ امور سے دست بردار ہونے کو "جہاد" قرار دے کر فرض کہنا (وہ بھی اس طرح کہ اس کے لیے والدین سے مشورہ تک لینے کی ضرورت نہیں) اپنی رائے کو شریعت طاہرہ میں جبراً داخل کرنے کی مذموم کوشش ہے، جس کا جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

نان کوآپریشن کے مختلف اردو ترجمے اور ترکِ موالات پر استقرار: جب نان کوآپریشن مومنٹ کا آغاز ہوا اس وقت اردو اخبارات اسے اسی نام سے یاد کرتے تھے، گو بعد میں اس کے مختلف ترجمے، مثلاً عدم اشتراکِ عمل، عدم اتحادِ عمل، ترکِ معاملات، عدم تعاون وغیرہ ہوئے، مگر ہنوز کسی ایک کو بھی اس لیے استقرار حاصل نہیں ہو سکا تھا کہ لیڈروں کو اس تحریک کے لیے جس دینی قبا کی حاجت تھی، وہ انھیں ان ترجموں میں میسر نہیں آسکی تھی مگر "جویندہ یابندہ" کے مطابق شرعی اصطلاحات میں سے ایک لفظ "موالات" انھیں ہاتھ لگ گیا، پھر کیا تھا، ان کی باچھیں کھل اٹھیں، مانو انھیں نعمت غیر مترقبہ مل گئی ہو۔ اب تک جو لوگ کسی ایک ترجمہ پر مستقل قائم نہیں رہتے تھے، وہ اس پر اس طرح جم گئے کہ اگر کوئی سلام بھی کرتا تو جواب میں "ترک موالات" کہتے۔ کوئی خیریت دریافت کرتا تو وہ "ترک موالات" کی صدائیں بلند کرتے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ لفظ "ترکِ موالات" میں آخر وہ کون سی قوت ہے جس نے لیڈران کو کسی اور ترجمہ پر غور وفکر کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا؟ کیا وجہ ہے کہ ان حضرات نے اس لفظ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا تھا؟ تو سنیے، اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ عزوجلّ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (المائدۃ:۵۱)

(ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان میں کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔)

پہلے ہی تحریک نان کوآپریشن کی شروعات ہو چکی تھی، جس کے تحت انگریزی مصنوعات، برطانوی حکومت کی ملازمت اور اس کے امدادی اسکول اور کالج میں تعلیم وتعلم کا بالکلیہ بائیکاٹ کیا گیا تھا اور جہادِ دفاع کا نام دے کر مسلمانوں کے لیے اسے لازمی اور ضروری کرنے کی کوششیں جاری تھیں۔ اب جب کہ سخت عرق ریزی کے بعد ترکِ موالات جیسی ایک اسلامی اصطلاح ان کے ہاتھ لگ گئی تو فوراً اسے نان کوآپریشن پر چسپاں کر دیا اور چیخنے لگے، دیکھو اللہ عزوجل نے یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ موالات حرام فرمایا ہے۔ اور انگریزوں کا سامان استعمال کرنا، ان کی حکومت میں ملازمت کرنا اور ان کے اسکولوں میں پڑھنا پڑھانا، سب موالات کے قبیل سے ہیں،

ریسرچ اسکالر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اس لیے مسلمانو!اس جہت سے بھی مذکورہ امور کا بائیکاٹ کرنا تمھارے اوپر واجب اور ضروری ہے، توجناب یہ تھی وجہ اس ترجمہ کو گلے لگانے کی۔

ایک بڑا مسئلہ: سیاسی لیڈران یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ موالات میں اس درجہ غرق تھے کہ انھوں نے قشقہ لگوایا، ہولی کھیلی، گئوماتا کی جے پکاری، کافر و مشرک کی نوحہ خوانی کی، گاندھی کی مدح سرائی میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے وغیرہ، چناں چہ مصنف رقم طراز ہیں۔

”ہاں!اے لیڈرو!تمھارے مسلسل متواتر افعال بانواع مختلفہ کفر و شرک کی تائید میں صادر ہوئے اور نہ معلوم ان کا سلسلہ کب تک قائم رہے گا!کسی ذوق وشوق میں تم نے گئوماتا کی جے پکاری!کس بے دردی سے مسئلۂ قربانی پر تم نے ہاتھ صاف کیا!کس عقیدت سے تلک (کانگریس لیڈر لوک،مانیہ تلک) کی تم نے نوحہ خوانی کی؟کس فرط ارادت سے تم نے یہ کہاکہ گاندھی مذکّربناکر بھیجا گیاہے۔ایسا معلوم ہوتاہے کہ اسلام کے ملیامیٹ کرنے کاتم نے عہدراسخ کرلیاہے۔کفروشرک کی تبلیغ و تحسین کاتم نے بیڑااٹھایاہے۔“ (مصدر سابق،ص:۸۶)

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کی آڑ میں سیاسی مفتیوں نے مسلمانوں پر عیسائی حکومت کے بالکلیہ بائیکاٹ کی فرضیت توعائد کردی، لیکن ابھی ان کی پریشانی ختم نہیں ہوئی تھی، اب ان پر تازہ مصیبت یہ آن پڑی کہ جس طرح اللہ عزوجل نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات سے منع فرمایاہے،اسی طرح...

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ. (آل عمران:۲۸)

(ترجمہ) مومنین مسلمانوں ک چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جوایسا کرے تواس کے لیے اللہ کے پاس کچھ نہیں ہے۔)

فرماکر موالاتِ کفار و مشرکین سے بھی نہی فرمائی ہے۔ تو پھر ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ موالات روا رکھنا اور ان کے مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

مسئلے کے حل کی کوشش اور مغالطے کی ایجاد: مذکورہ دقت کے حل کی خاطر سیاسی علمانے سورۂ ممتحنہ کی چند آیاتِ کریمہ میں جس طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی، اسے صاحبِ کتاب کے متاثرکن، پر درد اور فصیح وبلیغ اسلوب میں ملاحظہ کیجیے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

”مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ اس مسئلہ کی ایجاد کامقصد احکام شرعیہ کے زیر اثر رہ کر انگریزوں سے کنارہ کشی و یک سوئی نہ تھی، بلکہ ہندوؤں کے ساتھ وداد و انقیاد اکون واتحاد مطلوب تھا۔اب اگر شریعت کا فتویٰ نصاریٰ کے باب میں پیش کیاجاتاہے توکفار کی ولا و محبت کاجام کیوں کر پیاجاسکتا ہے؟ پھر اگر یہی نہیں ہواتو ساری سعیِ حاصل لغو و باطل ہوئی جاتی ہے۔ علماے سیاسی نے کمالِ تحریف کا جو نمونہ اس موقع پر پیش کیاہے،اس کی داد کسی بشری کی زبان سے ادا نہیں ہوسکتی۔ہاں جس کے کلام میں یہ لوٹ پھیر کیا گیاہے،اسی کی قدرت میں اس کا عوض وصلہ بھی ہے۔

سورۂ ممتحنہ کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ایسا مغالطہ آمیز ترجمہ کیاکہ عوام دھوکے میں آگئے اور نہایت سہولیت سے مطلب برآری ہوگئی:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنة:۹،۸)

(ترجمہ:اللہ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں فرماتا، جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں نہ تم سے لڑا اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا، اللہ تمھیں انھیں لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے، جو دین کے بارے میں تم سے لڑے، تمہیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے پر مدد دی اور تم میں سے جو ان کے ساتھ دوستی کریں وہی ستم گار ہیں۔)

”اس وقت وہ علماے سیاسی جو کفار و مشرکین کے بادۂ محبت میں سرشار ہو رہے ہیں، جھوم جھوم کر اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دیکھو، حق سبحانہ نے غیر مسلم فریق کو دو صنفوں میں تقسیم فرمادیاہے:ایک تو وہ ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑتے ہیں، نہ مکانوں سے انھیں نکالتے ہیں، ان کے ساتھ ہر طرح کی محبت، ہمدردی، نیکی اور احسان کا حکم خدا دیتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو یہ سب کرتے ہیں، ان کے ساتھ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی اگر مسلمان رکھے تو یہی نہ صرف گناہ ہے، بلکہ نفاق ہے اور منافق مومن نہیں۔“ (مصدر سابق،ص:۵۴)

اس مغالطے کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں کے ہندوؤں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا، نہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی اور نہ ہی مسلم ملکوں سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوئے، پس

ان کے ساتھ نیکی، احسان، ہمدردی اور محبت نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں انگریزوں نے یہ سب کیا، مسلمانوں کے ساتھ دینی لڑائی لڑی، انھیں بلادِ اسلامیہ سے نکالا اور اسلامی سلطنتوں پر حملہ کیا، پس ان کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعلق رکھنا نفاق ہے، اور چوں کہ منافق مومن نہیں اس لیے انگریزی حکومت کے ساتھ کسی بھی طرح کا معاملہ کرنے والا مومن نہیں ہے۔

یہاں دو باتیں ذہن میں رکھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ آئندہ صفحات میں جب اس مغالطے کا آپریشن کیا جائے تو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو:

(الف)-مفتیانِ سیاسی نے تفریط سے کام لیا تو اس درجہ گرے کہ ہندوؤں کے ساتھ نہ صرف بر و اقساط بلکہ محبت و موالات کو جائز کربیٹھے، اس طرح موالات اور ولا کو بر و احسان کا مرادف قرار دیا۔

(ب)-افراط پر آئے تو اس قدر آگے بڑھ گئے کہ برطانوی سلطنت سے موالات کے ساتھ ساتھ دنیوی معاملات تک کو نہ صرف حرام، بلکہ نفاق تک کہہ ڈالا، پس انگریزوں کے ساتھ بر و احسان کا سلوک نفاق اور خروج عن الاسلام ٹھہرا۔

موالات کا معنیٰ و مطلب: تحریک "ترکِ موالات" کی حقیقت سے آگاہی اور مذکورہ مغالطہ کے ازالے کے لیے لازمی ہے کہ پہلے موالات کا معنیٰ واضح کیا جائے، تاکہ فہمِ مباحث میں کچھ خلل نہ ہو۔ مولانا سلیمان اشرف صاحب نے اپنی کتاب "النور" کے ص: ۶۴ پر ولا کی یہ تعریف نقل کی ہے:

اَلْوَلَاءُ اَنْ يَّحْصُلَ شَيْئَانِ فَصَاعِدًا حُصُوْلًا لَيْسَ بَيْنَهُمَا مَا لَيْسَ مِنْهُمَا، وَيُسْتَعَارُ ذٰلِكَ لِلْقُرْبِ مِنْ حَيْثُ الْمَكَانِ وَمِنْ حَيْثُ النِّسْبَةِ وَمِنْ حَيْثُ الدِّيْنِ وَمِنْ حَيْثُ الصَّدَاقَةِ وَالنُّصْرَةِ وَالْاِعْتِقَادِ.

ترجمہ: ولا یہ ہے کہ دو یا اس سے زیادہ چیزیں اس طرح پائی جائیں کہ ان کے مابین کوئی ایسی شے نہ ہو جو ان میں سے نہیں (یہ ولا کا حقیقی معنیٰ ہے) اور اس کا مجازی معنیٰ قرب و نزدیکی ہے، خواہ وہ بہ اعتبارِ مکان ہو، نسبت کے لحاظ سے ہو، دین کے حساب سے ہو، دوستی اور مدد و نصرت کے لحاظ سے ہو یا پھر اعتقاد کے اعتبار سے۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ دو یا اس سے زیادہ چیزوں میں ایسا اتال کہ حدِ فاصل اٹھ جائے، امتیاز تغایر مٹ جائے اور ایک دوسرے پر محمول ہو سکے، تو اسے ولا اور موالات کہیں گے۔

تحریک نان کوآپریشن پر "ترکِ موالات" کے لیبل کا مکمل آپریشن: آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ سیاسی لیڈروں نے آیت شریفہ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ" کے ذریعہ برٹش گورنمنٹ کی ملازمت اور اسکی مصنوعات کے بائیکاٹ کی فرضیت ثابت کی تھی۔ اور اس طرح حکومت کے ساتھ کسی بھی قسم کے لین دین کو ایسا سخت گناہ بتایا تھا، جس کا مرتکب منافق ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہاں سب سے پیش تر یہ واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیت، کریمہ میں جس موالات سے نہی فرمائی گئی ہے اس سے محبت اور دوستی مراد ہے یا ایسی نصرت و مدد جس سے مسلمانوں کا یا اسلام کا ضرر ممکن و قرینِ قیاس ہو۔ ایسی دوستی موالاتِ حقیقی کہلاتی ہے جو حرام ہے۔ اور اگر یہود و نصاریٰ یا کفار و مشرکین سے ولا بایں طور ہو کہ ان کے کفر سے راضی ہو تو ایسی موالات کفر ہے۔ رہا معاشرتی امور میں لین دین اور تمدنی زندگی میں اعانت و استعانت تو یہ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین میں کسی سے بھی ممنوع نہیں۔ اسے موالاتِ صوری بھی کہا جاتا ہے، چناں چہ امام رازی علیہ الرحمۃ (۱۱۴۹-۱۲۰۹ء) کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں:

واعلم أن كون المؤمن موالياً للكافر يحتمل ثلثة أوجه: أحدها: أن يكون راضيا بكفره ويتولاه لأجله . و هذا ممنوعٌ منه. وتصويب الكافر كفر والرِّضا بالكفر كفر. و ثانيها: المعاشرة الجميلة فى الدنيا بحسب الظاهر. وذلك غير ممنوعٍ منه . والقسم الثالث: وهو كالمتوسط بين القسمين الأولين. وهو أن موالاة الكفار بمعنى الركون إليهم والمعونة والمظاهرة والنصرة؛ إما بسبب القرابة أو بسبب المحبة مع اعتقاد أن دينه باطلٌ فهذا لا يوجب الكفر إلا أنه منهى عنه؛ لأن الموالات بهذا المعنى قد تجره إلى استحسان طريقته والرضا بدينه، وذلك يخرجه عن الإسلام. فلا جرم هدّد الله تعالىٰ فيه فقال: "ومن يفعل ذلك فليس من الله فى شيءٍ. (تفسير كبير ، بحواله النور، ص:۷۸، ۷۷)

اور جان لو کہ مومن کے موالی کافر ہونے میں تین احتمالات ہیں: اول: یہ کہ مومن اس کے کفر سے راضی ہو اور اس کے سبب اس سے دوستی کرے، یہ ممنوع ہے کہ کفر کو درست سمجھنا اور اس سے راضی

ہونا کفر ہے۔ دوم: دنیوی امور میں بظاہر اچھا سلوک کرنا، یہ ممنوع نہیں ہے اور سوم: کی حیثیت پہلی دونوں قسموں کے مابین متوسط کی ہے (کہ اول کی طرح کفر ہے، نہ ثانی کی طرح جائز بلکہ حرام ہے) اور وہ کافروں سے دوستی کرنا بایں معنیٰ کہ مومن ان کی جانب جھک جائے قرابت یا محبت کے سبب، ساتھ ہی یہ اعتقاد ہو کہ اس کا دین باطل ہے۔ گو یہ قسم کفر کی باعث نہیں تاہم منہی عنہ (حرام) ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ معنیٰ کے اعتبار سے کافر سے دوستی بسا اوقات اس کے طریقہ کو بہتر سمجھنے اور اس کے دین سے راضی ہونے پر منتج ہوتی ہے اور یہ انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ عزوجل نے ضروری طور پر اس سلسلے میں تہدید فرمائی اور ارشاد فرمایا" اور جو ایسا کرے اس کے لیے اللہ کے دین سے کچھ حصہ نہیں۔"

جب موالات صوری (دنیاوی معاملات میں لین دین) کسی کافر و مشرک، یہودی و نصرانی سے ممنوع و حرام نہیں، اور ظاہر ہے کہ انگریزوں کی مصنوعات خریدنا، برطانوی حکومت کی ملازمت کرنا اور اس کے امداد یافتہ اسکول، کالج میں تعلیم و تعلم، یہ سب موالاتِ صوری ہی کی قبیل سے ہیں کہ یہ سب معاشرت زندگی کے لوازم ہیں۔ موالاتِ حقیقی کی قبیل سے نہیں کہ ان امور سے عیسائیت کو مضبوطی بخشنا لازم آتا ہے اور نہ اسلام کو کمزور کرنا، تو پھر سیاسی مفتیوں کا یہ کہنا "انگریزوں کے ساتھ اس طرح (مذکورہ نوع) کا تعلق رکھنا دین و اسلام سے خارج ہونا ہے۔" کیسے درست ہو سکتا تھا؟؟؟ ایسے ہی جب موالاتِ حقیقی بلا استثنا سارے کفار و مشرکین کے ساتھ ہیں، اور ظاہر ہے کہ پیشانی پر قشقہ لگوانا، گنگا جمنا کے سنگم اور پریاگ کو مقدس و متبرک باور کرنا، ہولی کھیلنا اور ہندوؤں کی دل آزاری کا خیال کرتے ہوئے قربانی کے موقع پر گاؤکشی سے روکنا، یہ سب موالاتِ حقیقی ہی کی صورتیں ہیں کہ ان سے مذہب کفر مضبوط ہوتا ہے یا دینِ اسلام کم زور، تو پھر سیاسی لیڈروں کا "برّو احسان" کے نام پر ان خرافات کو انجام دینا کیوں کر صحیح ہو سکتا تھا؟؟؟

یہاں یہ بھی دھیان میں رہے کہ حرمتِ موالات کی علت کفر و شرک ہے، اس میں قتال فی الدین اور اخراجِ مسلمین کو دخل نہیں، جیسا کہ صاحبِ النور نے جلالین، بیضاوی، مدارک، البحر المحیط، خازن، وغیرہ جیسی معتبر تفاسیر کے حوالے سے اسے ثابت کیا ہے؛ (جو صاحبِ تفاصیل پر آگہی کے خواہاں ہوں، وہ النور کے صفحہ نمبر ۶۹-۷۶ کا مطالعہ کریں) تو پھر مفتیانِ سیاسی کا یہ کہنا کہ جو کفار و مشرکین مسلمانوں سے قتال کریں، انھیں ان کے ملک سے نکالیں، جیسے: انگریزی حکومت، تو ان کے ساتھ موالات تو موالات، تمدنی زندگی میں معاشرت اور لین دین تک درست نہیں ہے، اور جو مسلمانوں کے ساتھ قتال نہ کریں، انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالیں، جیسے ہندوستان کے ہندو تو ان سے برّو احسان کے ساتھ ساتھ موالات بھی جائز ہے، دین میں تحریف تھا کہ نہیں؟

کس قدر افراط و تفریط کے شکار تھے یہ لیڈر حضرات کہ جہاں ایک طرف غیر ممنوع شی کے ارتکاب (انگریزوں سے معاشرتی زندگی میں لین دین) کو دین و اسلام سے خارج ہونا بتا رہے تھے تو وہیں دوسری جانب یقینی حرام کو محبتِ ہنادک میں نہ صرف روا رکھے ہوئے تھے، بلکہ مع اپنے حامیین کے دھڑلے سے خود بھی اس میں ملوث تھے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ایک شبہے کا دفعیہ: کسی کو یہ خلجان ہو سکتا ہے کہ قرآن حکیم نے مطلق موالاتِ کفار سے نہی فرمائی ہے تو پھر موالات حقیقی اور صوری کی یہ اصطلاح کہاں سے آگئی؟ اور یہ کہاں سے ثابت ہے کہ ولاے صوری یعنی متمدن زندگی میں کفار و مشرکین سے لین دین اور حمایت و نصرت ممنوع نہیں ہے؟ تو اس کے ازالے کی خاطر علامہ سلیمان اشرف صاحب نے النور کے ص: ۱۰۷-۱۰۹ پر کتبِ حدیث و سیرت سے سرکار دوعالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے کچھ ایسے پہلو اجاگر کیے ہیں جو اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ کفار کے ساتھ موالاتِ صوری یعنی معاشرتی زندگی میں لین دین اور اعانت و استعانت، منع نہیں۔

..........(جاری)

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

رضا بک ڈپو

مقام و پوسٹ پریہار، سیتامڑھی (بہار)

محمد ہاشم/لال محمد

جیلانی یونانی اسٹور، سروار

ضلع باڑمیر (راجستھان)

فکر و نظر

دینی مدارس اور حکومتِ ہند

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اَور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اکتوبر ۲۰۱۵ء کا عنوان — مراسم محرم اور ہماری بے اعتدالیاں

نومبر ۲۰۱۵ء کا عنوان — منگنی کی شرعی حیثیت اور موجودہ رسمیں-ایک تجزیاتی مطالعہ

مدارس اسلامیہ نشانے پر یا مسلم بچوں کے لیے سنجیدہ فکر مندی

صابر رضا رہبر مصباحی، سب ایڈیٹر روز نامہ انقلاب پٹنہ sabirrahbar10@gmail.com

مہاراشٹر حکومت نے ان مدارس کو تعلیمی ادارہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے جہاں جدید تعلیم کا اہتمام نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ دیوندر فرنویس نے ایک فیصلہ میں مہاراشٹر بھر کے ان مدارس کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا ہے جن میں انگریزی، ریاضی اور کمپیوٹر سمیت دیگر عصری تعلیم نہیں دی جاتی ہے۔ مہاراشٹر حکومت نے کہا ہے کہ جن مدارس میں انگلش، ریاضی اور سائنس کی پڑھائی نہیں ہوتی ہے ان کا شمار اسکول میں نہیں ہوگا۔ یہی نہیں ان مدرسوں میں جو بچے پڑھ رہے ہیں ان کے اسکول کی تعلیم کو بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ مہاراشٹر کے محکمہ اقلیتی فلاح کے وزیر ایکناتھ کھڑسے کا کہنا ہے کہ مدرسے بچوں کو مذہبی تعلیم دے رہے ہیں۔ یہاں بچوں کو عصری تعلیم نہیں مل رہی ہے۔ ہمارا آئین کہتا ہے کہ سب کو رسمی تعلیم لینے کا حق ہے اور مدرسوں میں ایسی تعلیم نہیں دی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایک ہندو یا عیسائی بچہ مدرسے میں پڑھنا چاہتا ہے تو اسے وہاں پڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی کیوں کہ مدرسہ اسکول نہیں ہے بلکہ مذہبی تعلیمی مرکز ہے اس لیے ان مدرسوں کا شمار اب غیر اسکول کے زمرے میں ہوگا۔ مسٹر کھڑسے نے اس کے ساتھ ہی کہا کہ اقلیتی امور کے پرنسپل سکریٹری جے شری مکھرجی نے اسکول ایجوکیشن اینڈ اسپورٹس ڈپارٹ منٹ کے پرنسپل سکریٹری نند کمار کو اس سلسلے میں ایک خط لکھا ہے۔ کھڑسے نے کہا کہ اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ نے ۴؍ جولائی کو ایک سروے کرانے کا منصوبہ بنایا ہے تاکہ یہ پتہ لگایا جائے کہ کن بچوں کو رسمی تعلیم نہیں مل رہی ہے۔ کھڑسے کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو بچے مدرسے میں پڑھ رہے ہیں انہیں رسمی تعلیم نہیں مل رہی ہے۔ میرا ایک ہی مقصد ہے کہ اقلیتی برادری کے تمام بچوں کو مرکزی دھارے میں شامل کیا جائے کیوں کہ روزگار کے لیے ایسی تعلیم انتہائی ضروری ہے۔ ریاست میں کل ۱۸۹۰؍ مدرسے رجسٹرڈ ہیں۔ ان میں سے ۵۵۰؍ مدرسے ریاضی، سائنس اور انگلش پڑھانے پر راضی ہوگئے ہیں۔ کھڑسے نے کہا کہ ہم لوگوں نے بنیادی تعلیم کے لیے مدارس میں اساتذہ مہیا کرانے اور انہیں تنخواہ ادا کرنے کی بھی تجویز پیش کی ہے۔

پہلی نظر میں مہاراشٹر اقلیتی امور کے وزیر کی باتوں سے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ واقعی مسلم بچوں کی تعلیم کے تئیں بہت سنجیدہ ہیں اسی لیے

انہیں مرکزی اسٹریم سے جوڑنے کے لیے عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کی عملی وکالت کر رہے ہیں لہٰذا ان کی نیت پر شک نہیں کیا جانا چاہیے ۔ خیال رہے کہ اس سے قبل وزیر اعظم نریندر مودی نے بھی اپنی انتخابی مہم کے دوران مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم بچوں کے روشن مستقبل کے لیے اپنی فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'میں چاہتا ہوں کہ مدارس میں پڑھنے والے بچوں کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسری ہاتھ میں سائنس۔اگر وزیر اعظم کے بیان اور پھر مہاراشٹر حکومت کے فیصلہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ سچائی سامنے آئے گی کہ مہاراشٹر حکومت کا فیصلہ وزیر اعظم کے اعلان کو زمینی سطح پر اتارنے کی عملی کوشش ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت کی فکر مندی صرف مدارس میں پڑھ رہے بچوں کے لیے ہی کیوں ؟مسلمانوں کی تعلیم کے لیے سرکار کو صرف مدارس ہی کیوں دکھائی دے رہے ہیں ؟ جب کہ مدارس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد محض چار فیصد ہے ،باقی ۹۶؍فیصد بچے یا تو اسکولوں میں پڑھتے ہیں یا پڑھتے ہی نہیں ۔اگر حکومت کو مسلمانوں کی علمی پسماندہ گی اور مسلم بچوں کے تعلیمی مستقبل کی فکر اتنی ہی بے چین کر رہی ہے تو وہ پھر ۴؍فیصد بچوں کی تعلیم پر پورا زور صرف کرنے کے بجائے ۹۶؍ فیصد بچوں کی تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز کیوں نہیں کرتی ؟انہیں زیور تعلیم سے کیوں آراستہ نہیں کیا جا رہا ہے ؟اس کے لیے ٹھوس منصوبے کیوں نہیں تیار کیے جا رہے ہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ مسلم اداروں کے تئیں حکومت کی نیت میں ہی کھوٹ ہے ،ابتدا سے مدارس اسلامیہ آرایس ایس اور اس کی ہمنوا تنظیموں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھتے رہے ہیں ۔اگر حکومت کے ارادے نیک ہوتے تو مسلم اکثریتی آبادیوں میں معیاری اسکول بناتی اور جو مسلم اسکول یا تعلیمی ادارے چل رہے ہیں ان کی ترقی کے لیے بھرپور مدد کرتی ،ان میں نئے نئے کورسز کی منظوری کو آسان بناتی مگر جب نیت ہی خراب ہو تو پھر اس طرح کے معیاری سوالات بے معنی ہو جاتے ہیں ۔ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں مختلف مذاہب کے پیرو کار رہتے ہیں ،متنوع تہذیب وثقافت کی رنگینی ہی اس کے وقار کو چار چاند لگاتی ہے ۔ آئین ہند میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیم وتبلیغ کے لیے ادارے بنائیں ،کمیٹی تشکیل کریں اور اپنی مذہبی تہذیب وشناخت کے لیے لائحہ عمل تیار کریں ۔اس کے باوجود اگر مدارس اسلامیہ کو تعلیمی ادارہ ماننے سے انکار کیا جاتا ہے تو کیا اسے آئین ہند کی خلاف ورزی نہیں کہی جائے گی ؟

قطع نظر اس سے کہ مدارس اسلامیہ کے نصاب میں عصری علوم کو کس حد تک جگہ دی جا سکتی ہے ہمیں پہلے اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ مدارس میں مسلمانوں کے صرف ۴؍ فیصد ہی بچے پڑھتے ہیں ،ان ۴؍فیصد بچوں کی مالی واقتصادی پوزیشن پر نظری ڈالی جائے تو حقیقت سامنے آئے گی کہ ان میں زیادہ تر بچوں کی معاشی حالت اس لائق نہیں کہ وہ معیاری اسکول وکالج میں پڑھ سکیں ۔مدارس اسلامیہ میں پڑھنے والے بچوں کی تعلیمی کفالت کے ساتھ ان کے قیام وطعام کی بھی ذمہ داری ارباب مدارس اٹھاتے ہیں یعنی مدارس ایک طرح کا یتیم خانہ ہے جہاں سماج کے کمزور ونادار بچوں کی پرورش وپرداخت کی جاتی ہے ۔ایسے میں تو حکومت کو ارباب مدارس کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق کم از کم ۴؍ فیصد بچوں کو تعلیم سے آشنا تو کر رہا ہے ؟ لیکن حکومت کو یہ سب کچھ نظر نہیں آرہا ہے اور آبھی نہیں سکتا، وجہ ارباب حل وعقد پر ظاہر ہے۔

ایسا پہلی بار نہیں ہوا ہے کہ جب مدارس اسلامیہ کو کٹھرے میں لانے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ اس سے قبل بھی کبھی اس کے قدیم نصاب تعلیم کو فرسودہ قرار دے کر اس میں ترمیم کرنے کے مطالبہ کے ساتھ اسے بے روزگار افراد کو پیدا کرنے والی فیکٹری قرار دیا گیا ہے تو کبھی رائٹ ٹو ایجوکیشن کے بہانے مدارس کی روح کو گھائل کرنے کی سازش رچی گئی اور کبھی مدارس کا رشتہ دہشت گردی سے جوڑ کر اس کے وجود کو ملک کی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دینے کی پرزور مہم چلائی گئی ۔لیکن ہر بار یہ سازشیں ناکام رہی ہیں کیوں کہ مدارس اسلامیہ میں نہ صرف شخص اور شخصیت کی کردار سازی کی جاتی ہے بلکہ وہاں کی خاک سے انسانیت کی تعمیر کی جاتی ہے۔

یہ مدرسہ ہے ترا مے کدہ نہیں ساقی
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

اس سے قبل آرایس ایس کے سابق سربراہ کے سدرشن نے تو 'مدارس اسلامیہ بے نقاب' نامی کتاب لکھوا کر منہ بھر گالیاں دی تھیں۔ مدارس اسلامیہ کے اساتذہ اور طلبہ کی کردار کشی کا کوئی شمہ نہیں چھوڑا تھا۔

حکومت کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہندوستان کے گلے سے غلامی کا پٹہ نکالنے کے لیے مدارس اسلامیہ نے تاریخی کردارادا کیے ہیں جبکہ یہ تاریخی طورپرثابت ہوچکاہے کہ آرایس ایس اور دیگر ہندوتواتنظیموں اوران کے پاٹھ شالاؤں کاآزادی کی جنگ میں کوئی حصہ نہیں رہاہے۔دہلی سے لے کرلاہورتک سڑک کے دونوں کنارے ہزاروں درختوں پر آزادی کے جن متوالوں کی لاشیں لٹکی رہی تھیں وہ مدارس اسلامیہ کے ہی سپوت تھے۔مدارس نے ہرنازک موڑپرملک وقوم کی بے لوث خدمت کی ہے اورملک کے سرمایہ افتخارمیں اضافہ کیاہے۔ہندوستان کواولمپک میں پہلی بارگولڈ میڈل دلانے والے سردارملکھا سنگھ ہوں یاپھرماہراقتصادیات سابق وزیراعظم ڈاکٹرمنموہن سنگھ یا پھرمعروف صحافی کلدیپ نیر؛یہ سب مدارس کے ہی پروردہ ہیں؛ان کی بنیادی تعلیم مدارس میں ہوئی ہے۔

مودی حکومت میں مدارس اسلامیہ کی تجدیدکاری کے اعلان کے بعدسے ہی مسلم دانشوروں میں سخت بے چینی پائی جارہی تھی جبکہ کچھ روشن خیال طبقہ کی جانب سے اس کااستقبال بھی کیاگیاتھا۔اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کااپنانصب العین تھایعنی دین اسلام کی تعلیم وتبلیغ لہٰذااس میں کسی بھی ایسے حذف واضافہ کی اجازت ہرگزنہیں دی جاسکتی ہے جس کے سبب اسکے بنیادی مقاصد پرمنفی اثرپڑے۔اس لیے مدارس کے نصاب میں تجدیدکاری کے نام پرچھیڑچھاڑکی اطلاع سے پریشان ہونافطری امرہے۔جبکہ کچھ روشن افراد ایسے ہیں جو مدارس اسلامیہ کے نصاب کوفرسودہ اوروہاں کے فارغین کودقیانوسی خیال کے حامل سمجھتے ہیں لہٰذاایسی ذہنیت رکھنے والے افرادایک طویل عرصہ سے مدارس کے نصاب میں ترمیم کا مطالبہ کررہے ہیں لیکن ایسے لوگ یہ کیوں بھول بیٹھتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ کااپناایک مخصوص نصب العین ہے اوراسی تناظرمیں ماہرین علماے کرام نے اس کا نصاب تعلیم طے کیاہے۔مدارس کے نصاب تعلیم کابنیادی ڈھانچہ اگرچہ صدیوں پراناہے تاہم ہردورمیں عصری تقاضوں کے مطابق اس میں حذف واضافہ کیاجاتا رہاہے لیکن نصاب میں ترمیم کے وقت اس بات کاخاص خیال رکھاجاتا رہاہے کہ مدارس کے نظام تعلیم میں کسی بھی نوعیت کی ترمیم کی گنجائش اسی وقت نکالی جاسکتی ہے جب اس سے اس کی روح پر ضرب نہ پڑے۔مدارس اسلامیہ کے نصاب میں انگریزی،کمپیوٹر اور دیگر جدید علوم کی شمولیت کومدارس کی تجدیدکاری کاپیش خیمہ قراردیاجاسکتاہے۔

جس طرح کسی میڈیکل کالج سے یہ مطالبہ نہیں کیاجاسکتاکہ وہاں سے ایک بہترانجینئرکیوں نہیں پیداہوتے ہیں اسی طرح مدارس اسلامیہ سے کسی سائنسداں کے جنم لینے کی توقع رکھنااحمقانہ سوچ ہے۔یہ صحیح ہے غزالی وررومی جیسے فلسفی مدارس اسلامیہ کے پروردہ تھے لیکن ان کے اورآج کے حالات وتقاضے یکسرمختلف ہیں۔اب نہ توانسانوں کاحافظہ اتنامضبوط رہااورنہ ان کے اندروہ قوت برداشت رہی اورنہ ہی وقت میں اتنی برکت۔آج تخصص کازمانہ ہے اورہرشخص اپنی پسند کے مطابق کسی ایک فن میں مہارت حاصل کرکے اپنی صلاحیت کاجلوہ بکھیررہاہے۔مدارس کوبھی اسی نقطہ نظرسے دیکھا جانا چاہیے ۔مدارس کے قیام کا مقصدعلم دین کی نشرواشاعت ہے اگراس میں مدارس ناکام ہورہے ہیں توبے شک اس میں اصلاح کامطالبہ کرنالائق تعزیرنہیں لیکن چندنااہل افرادکی بنیادپرمدارس کے وجودکوہی سوالات کے کٹہرے میں کھڑاکردینادانشمندی ہرگزنہیں ہوسکتی۔

یہ ایک اچھی بات ہے کہ فارغین مدارس بھی بڑی تیزی کے ساتھ عصری اداروں کارخ کررہے ہیں اورعصری علوم وفنون میں مہارت حاصل کررہے ہیں لیکن اس سے ان کامقصداگرفقط دنیاکمانا ہے تو یہی بھی مدارس کی نمک روٹی سے غداری کہی جائے گی۔ اسلام نے کبھی بھی کسی بھی علم کے حصول سے منع نہیں کیابلکہ اسلام نے علم کی تقسیم ہی نہیں کی۔اسلام نے ہراس علم کوسیکھنے کا اختیار دیا ہے جس سے اسلام کی تبلیغ زیادہ سے زیادہ کی جاسکے ،مسلمان اپنی معیشت کومضبوط کرسکے اورزیادہ سے زیادہ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکے۔دینی ودنیاوی علوم کی تقسیم توبعدکی پیدوارہے۔جن لوگوں نے اس کی تقسیم کی اوراس کے راستے متعین کیے ہم ان کے خلوص پرشک وشبہ نہیں کرسکتے کیوں ان کے سامنے وقت کی کمی اورانسانی ذہن کی تنزلی سامنے ضروررہی ہوگی۔

مدارس اسلامیہ کی تجدیدکاری کی وکالت کرنے والے دانش وروں اورحکومت سے یہ ضرورپوچھاجاناچاہیے کہ آخرحکومت مدارس کے ۴ء۵رفیصد مسلم بچوں کی تعلیم کے لیے اس قدر پریشان کیوں ہے ؟ ۹۵ء۴رفیصد بچوں کی تعلیم وتربیت کی فکرانہیں مضطرب کیوں نہیں کررہی ہے۔کیوں کہ مدارس میں کل مسلم آبادی کے ۴ء۵رفیصدبچے ہی

تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ بھی ان میں اکثر کی اقتصادی حالت قابل ذکر نہیں ہوتی جب کہ مسلم بچوں کی ۹۵ء۴/ بچے فیصد عصری دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کرر ہے ہیں۔ حکومت ان کی ترقی کے لیے کیا کرر ہی ہے ؟ اصل بحث کا موضوع یہ ہونا چاہیے ۔ مسلمانوں کی علمی واقتصادی پسماندگی کے جائزہ کے لیے تشکیل کی گئی سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا ہے کہ مدارس میں مسلمانوں کے صرف ۴ء۵/ فیصد بچے ہی پڑھتے ہیں جب کہ عصری دانش گاہوں میں ان کی تعداد ۹۵ء۴/ فیصد ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حکومت ۹۵ء۴/ فیصد کی بجاے ۴ء۵/ فیصد بچوں کے مستقبل کے لیے اتنی پریشان کیوں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب نیت میں ہی کھوٹ ہو تو خلوص بھی مکر و دکھاوے کا روپ دھار لیتی ہے، دراصل مدارس کی تجدید کاری کے نام پر مسلمانوں کو دینی فکر و شعور کی دولت سے محروم کرنا ہے کیوں کہ یہ مدارس کی ہی کرامت تھی جس سے دنیا کو فکر و شعور کی بالیدگی ملی اور دنیائے انسانیت ایک روشن انقلاب سے روشناش ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے صفّہ نام کے ایک مقدس چبوترے پر جس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی اس کا فیضان آج بھی جار ہی ہے۔

مدرسے فرقہ پرستوں کی نگاہ اس لیے کانٹا بن کر چبھ رہے ہیں کیوں کہ وہاں سے اسلامی تعلیمات کے ساتھ عشق نبوی کا جام پلایا جاتا ہے جس کا نشہ کسی ترشی سے نہیں اتارا جاسکتا ہے اور یہ بات اسلام مخالف طاقتیں اچھی طرح جانتی ہیں کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں سے اسلامی تعلیمات اور عشق رسالت نہ نکال دی جائے تب تک انہیں پسپا کرنا ناممکن ہے ؎

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں کبھی
روح محمد اس سے بدن سے نکال دو

ایک عرصہ قبل یو پی اے حکومت نے بھی مسلمانوں کی ترقی کی قبلہ بدلنے کا اعلان کرتے ہوئے مرکزی مدرسہ بورڈ کی تشکیل کا ہوّا کھڑا کیا تھا۔ اس اعلان سے مسلمانوں کے درمیان فکری تصادم کا بازار گرم ہو گیا۔ مرکزی مدرسہ بورڈ کی حمایت و مخالفت میں مسلمانوں کے دو گرپ سامنے آئے اور جم کر مباحثوں کی میزیں ۔ یو پی اے حکومت اپنے انجام کو بھی پہنچ گئی لیکن ابھی تک اس کا وعدہ سامنے نہیں آسکا۔ مودی حکومت بھی مدارس کی تجدید کاری کے نام پر کانگریس کی پالیسی کو دوہرائے گی، مودی کے اس اعلان کا کہ مسلم بچوں کے ایک ہاتھ قرآن ہو تو دوسرے ہاتھ میں کمپیوٹر' کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اگر مدارس کو ماڈرائزیشن ہی کرنا ہے تو ممتا حکومت کی طرح مودی سرکار علاحدہ طور پر ایسے مدارس کی بنیاد رکھے جہاں دینی و عصری علوم کا روشن امتزاج ہو۔ محض زبانی جمع خرچ سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

مدارسِ اسلامیہ کی اہمیت اور حکومتِ ہند کا غیر منصفانہ رویہ

محمد طفیل احمد مصباحی، سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارکپور tufailmisbahi@gmail.com

مدارسِ اسلامیہ نے ہندوستان کے عہدِ تاریکی میں علم و عمل، اخوت و مروت، اخلاص و وفا، امن و امان اور تہذیب و تمدن کا چراغ جلایا ہے۔ ابناے وطن کے دلوں میں جذبۂ حب الوطنی ابھار کر ملک کے تحفظ و سالمیت کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے کا شعور اور حوصلہ بخشا ہے۔ بلاشبہہ مدارسِ اسلامیہ ہمارے ملک کے تعلیمی نظام کا ایک اہم حصہ ہیں اور حکومت کے تعلیمی مسائل و مشکلات حل کرنے میں بڑ حد تک معاون ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آزادی کے بعد سے مسلسل مدارسِ اسلامیہ حکومت کے نشانے پر ہیں اور فرقہ پرستوں کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھ رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آئے دن مدارس کے خلاف بیانات اور اشتعال انگیز تقریریں سامنے آتی رہتی ہیں، حقیقت سے کوسوں دور اس قسم کے بے بنیاد الزامات اور اشتعال انگیز بیانات زیادہ تر سنگھ پریوار اور بجرنگی لیڈران اگلتے ہیں، جس سے ملک کا پر امن ماحول مکدر و متاثر ہوتا ہے۔ ۲۰۱۱ء میں مدارسِ اسلامیہ سے متعلق وزارتی گروپ میں جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے، اس سے حکومتِ ہند کی کم ظرفی، تنگ نظری اور بد نیتی صاف عیاں ہے۔ وزارتی گروپ کی رپورٹ میں ملک کے مدارس اسلامیہ کو شکوک و شبہات کے دائرے میں لایا گیا ہے اور ان کا رشتہ عالمی ہشت گرد تنظیموں سے جوڑا گیا ہے۔ رپورٹ میں صراحت کی گئی ہے کہ: "اتحاد اسلامی جنگ جو تیزی سے بڑھ رہے ہیں، ان کا تعلق

سعودی عرب، پاکستان، سوڈان اور بعض مغربی ایشیائی ممالک کی بنیاد پرست تنظیموں سے ہے، اور سعودی و خلیجی ممالک کے سرمایہ سے۔ حال کے چند برسوں میں پورے ملک میں بہت سارے نئے مدارس کا قیام عمل میں آیا ہے۔ خاص طور سے بڑی تعداد میں پچھمی ساحلی علاقوں، پچھمی بنگال اور اتر پورب کے سرحدی علاقوں میں یہ مدارس پائے جاتے ہیں۔ سرحدی علاقوں کے مسلمانوں میں بنیاد پرستی عام ہوتی جا رہی ہے، جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے لازمی طور پر خطرناک عمل ہے۔"

مدارس اسلامیہ کے حوالے سے اس قسم کے بے بنیاد الزامات افسوس ناک ہیں۔ عام لوگ اس طرح کی باتیں کریں تو انھیں نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن زیادہ افسو اور تعجب اس بات کا ہے کہ حکومت کی طرف سے یہ زہر افشانیاں ہو رہی ہیں۔ اس میں دو رائے نہیں کہ عام سنگھی لیڈروں کے ساتھ حکومتِ ہند کا رویہ بھی اسلامی مدارس کے تعلق سے غیر منصفانہ ہے۔

تازہ ترین اطلاع کے مطابق مہاراشٹر حکومت نے ان مدارس کو تعلیمی ادارہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے جہاں جدید تعلیم کا اہتمام نہیں ہے۔ مہاراشٹر حکومت نے یہ کہا ہے کہ جن دینی مدارس میں کمپیوٹر، انگلش، سائنس، ریاضی اور دیگر عصری علوم پڑھائے نہیں جاتے ہیں، ان کا شمار تعلیمی ادارہ اور اسکول میں نہیں ہوگا۔ اور ان مدرسوں میں زیر تعلیم طلبہ کی سند کو بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مہاراشٹر حکومت کا یہ فیصلہ آئینِ ہند کی صریح خلاف ورزی ہے۔ آئینِ ہند کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی دفعہ ۳۰؍ میں یہ صراحت موجود ہے کہ:" تمام اقلیتوں کی خواہ مذہب کی بنیاد پر یا زبان کی بنیاد پر اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کے انتظام کرنے کا حق ہوگا۔ اور آئین کی دفعہ ۲۹؍ میں اقلیتوں کے ان بنیادی حقوق کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ "بھارت کے علاقے میں یا اس کے کسی حصے میں رہنے والے شہریوں کے کسی بھی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط، یا ثقافت ہو، اسکو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔"

مسلمان ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں، آئینِ ہند کی دفعہ ۲۹؍۳۰؍ کے تحت ہی پورے ملک میں مدارسِ اسلامیہ کا جال بچھا ہوا ہے۔ آئینِ ہند کے مطابق ہر اقلیت کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے کھولنے اور انھیں چلانے کا حق و اختیار حاصل ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ بنیادی حق بنیادی چیز ہے، جسے کسی بھی ذیلی قانون یا اکثریتی طبقہ کے دباؤ سے دبایا نہیں جا سکتا۔

حکومت مہاراشٹر مدارس کے تعلق سے اس قسم کا فیصلہ دے کر مسلمانوں سے ان کا جائز اور بنیادی حق چھیننا چاہتی ہے۔ حکومت مہاراشٹر یا تو اپنا فیصلہ واپس لے یا پھر آئینِ ہند کی خلاف ورزی کا اقرار و اعتراف کرے۔

مدارس اسلامیہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پورے ملک کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان مدارس نے جھونپڑیوں سے لے کر عالی شان عمارتوں اور محلوں تک میں علم و حکمت اور تہذیب و شرافت کی شمع روشن کی ہے۔ مدارس اپنے محدود وسائل کے باوجود ملک سے جہالت اور ناخواندگی دور کرنے میں دیگر اعلیٰ تعلیمی اداروں سے دو قدم آگے رہے ہیں۔ ان مدرسوں نے ملک کو مہذب انسان دیے ہیں۔ وطن سے محبت اور دین و ملک کی خدمت کا جذبہ عام کیا ہے۔ ملک کی داخلی سلامتی کے تحفظ، صالح معاشرتی اقدار کے فروغ اور بڑے بڑے علما، فضلا اور محبانِ وطن کو تیار کرنے میں مدارس کا اہم کردار رہا ہے۔ ملک کے کارگہ عمل سے انھیں اگر الگ کر دیا جائے تو ملک تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے چلا جائے گا اور صدیوں پرانی روایات ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ ملک کی علمی تاریخ بھی مدارسِ اسلامیہ کی جڑوں میں پیوست ہیں۔ انگریزی نظامِ تعلیم کے آنے سے صدیوں پہلے تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کا منظم ذریعہ مدارس ہی تھے۔ ملک کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجیندر پرساد کی ابتدائی تعلیم مدرسہ ہی میں ہوئی تھی۔ ہندوستان کو سائنس و ٹیکنالوجی، میزائیل اور اگنی کی بیش بہا دولت سے مالا مال کرنے والے سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام مدارس کے بھی پروردہ تھے۔ غرض کہ مدارسِ اسلامیہ کی دینی، علمی اور سماجی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ حکومت ہند مدارس کے تعلق سے اپنے غیر منصفانہ رویوں سے باز آئے اور دیگر اقلیتی اداروں کے ساتھ مدارس کی حوصلہ افزائی اور تعاون میں پیش پیش رہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے خلاف زہر افشانی کرنے والے افراد کا سخت نوٹس لیا جائے تاکہ ملک کا امن و امان بحال اور فرقہ پرستی کی آنچ سے وطنِ عزیز محفوظ رہ سکے۔ ☆☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب: **بوستانِ آسی**
ترتیب: مولانا ابرار رضا مصباحی
صفحات: ۳۵۲ اشاعت: فروری ۲۰۱۵ء
قیمت: ۱۵۰ روپے
ناشر: شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن، دہلی
تقسیم کار: مدنی کتاب گھر، ۵۲۳ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی
مبصر: مہتاب پیامی payamee@gmail.com

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی حضرت عبد العلیم آسی غازی پوری کے حوالے سے اپنے ایک مقالہ میں رقم طراز ہیں:

"حضرت عبد العلیم آسیؔ غازی پوری سرزمینِ ہند کے اُن پاک بازوں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی فکر و نظر کے چشمۂ صافی سے انسانی قلوب و اذہان کی طہارت و پاکیزگی فرمائی۔ آپ نے اپنی مساعیِ جمیلہ سے کفر و شرک کا قلع قمع کیا۔ شبِ ظلمت میں شمعِ ہدایت روشن فرمائی۔ مَے کدۂ رشیدیہ کے تشنہ کاموں کی سیرابی کے لیے آپ نے جامِ وحدت لُنڈھائے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سرشاروں کو آپ نے جوش اور ہوش کے پیمانے بخشے۔ گم گشتگانِ راہ کو معرفت و سلوک کی منزل تک پہنچایا۔"

بلا شبہہ حضرت آسی غازی پوری کی حیات عشقِ رسول کا خوش رنگ آئینہ تھی، ان کے افکار، ان کے نظریات، ان کا منہجِ عشق سب کچھ ان کی اشعار اور ملفوظات سے ظاہر ہے۔

زیرِ نظر کتاب "بوستانِ آسی" چودھویں صدی ہجری کی عظیم علمی و ادبی اور دینی و روحانی شخصیت قطب العرفا حضرت مولانا شاہ عبد العلیم آسی غازی پوری قدس سرہ کے احوال و کمالات پر اصحابِ علم و دانش کے گراں قدر مقالات کا دستاویزی مجموعہ ہے۔

"عرضِ ناشر" کے تحت محمد سجاد احمد رشیدی صدر آسی فاؤنڈیشن نئی دہلی لکھتے ہیں:

"زیرِ نظر کتاب بوستانِ آسی [جلد اول] حضرت آسی کے جشن صد سالہ [۱۴۳۵ھ] پر ہو چکے کاموں کا ایک علمی و تحقیقی کتابی مجموعہ ہے، جس کو عزیز محترم حضرت مولانا محمد ابرار رضا مصباحی (رکن شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن) نے بڑی محنت و کوشش سے عمدہ ترتیب و تزئین کے ساتھ طباعت کے مرحلے سے گزار کر اشاعت کی منزل تک پہنچایا ہے۔" (زیرِ تبصرہ کتاب)

مولانا ابرار رضا مصباحی بوستانِ آسی کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس امر کے اظہار کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ "بوستانِ آسی" کی شکل میں حضرت آسیؔ پر پہلی بار مستقل، پایہ دار اور باضابطہ طور پر اتنی بڑی نوعیت کا کام ہوا ہے، جس میں تقریباً ان کی شخصیت اور خدمات کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

حضرت آسی کی سیرت و شخصیت اور عظمت و رفعت پر بکھرے ہوئے کچھ قیمتی اور قابلِ قدر اوراق منتشرہ کو حتی الامکان یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہ اہم سرمایے ضائع ہونے سے بچ جائیں اور ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو کر ایک اہم دستاویزی حیثیت اختیار کر لیں اور آنے والی نسلوں کے لیے کچھ حد تک حضرت آسی کے فکر و فن اور اخلاق و تصوف اور خدمات و کارناموں تک رسائی کے لیے رہنما و معاون بھی ہوں۔

عہدِ قدیم کے ساتھ ساتھ کچھ عہدِ حاضر کے بھی مشاہیر کی قیمتی تحریریں اور ان کے گراں قدر تاثرات شامل ہیں۔

کتاب کو آسان زبان اور سادہ اسلوب میں رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کی حامل بنانے کی طرف توجہ دی گئی ہے اور غیر جانب دارانہ اور انصاف پسندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔" (ابتدائیہ۔ بوستانِ آسی، ص: ۲۰)

جیسا کہ ابرار رضا مصباحی صاحب فرماتے ہیں کہ "کتاب کو آسان زبان اور سادہ اسلوب میں رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔" تو اس بات کا فیصلہ تو قارئین ہی فرمائیں گے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ چوں کہ اس کتاب میں متعدد مقالہ نگار حضرات شاملِ اشاعت ہیں، ان کے زمانوں میں بھی فرق ہے اور زبانوں میں بھی۔ پھر اس میں کوئی صاحب یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور کوئی صاحب مدرسہ کے صدر

المدرسین، ایسی صورت میں کتاب کو کسی ایک اسلوب اور اندازِ بیان پر قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ البتہ مشاہیر قلم کاروں کی تحریریں جامع اور پر مغز ہیں۔ زبان و بیان کی اکثر خامیاں جو میری نظر سے گزریں وہ صرف ابتدائی صفحات تک ہی محدود ہیں۔

”بوستان آسی پر مختصر مقدمہ مفتی عبید الرحمٰن رشیدی نے تحریر فرمایا ہے۔ پھر ”آسی شناسی“ کے عنوان سے مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی (دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن افریقہ) کی ایک طویل نظم ہے۔ اس نظم کے بعض اشعار واقعی دل کو چھو لینے والے ہیں۔

پوری کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: تاثرات و پیغامات

اس باب میں پانچ جلیل القدر اصحاب علم و عرفان کے تاثرات شامل ہیں، بلا شبہہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان بلند پایہ شخصیات کی تائیدات سے کتاب کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔

بابِ دوم: اعترافِ عظمت

اس باب میں ۱۸؍ مقالہ نگار حضرات کی تحریریں شاملِ اشاعت ہیں۔ اس باب میں جو قلم کار شامل ہیں، دنیاے علم و ادب ان کے نام اور کام کا اعتراف پہلے ہی کر چکی ہے، چند نام ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی، مفتی محمد یوسف فرنگی محلی، مرزا غالب، علامہ کیفی چریا کوٹی، مجنوں گورکھ پوری، فراق گورکھ پوری، مولانا محمد علی جوہر، پروفیسر عنوان چشتی، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر محمود الٰہی اور نازش سکندر پوری وغیرہ۔

مرزا غالب نے مولوی عبد الصمد کی زبانی آپ کا کلام سننے کے بعد کہا: ”اللہ اللہ ایسے لکھنے والے اب بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔“

اردو ادب بالخصوص غزل کے معروف ناقد کلیم الدین احمد کہتے ہیں:

کاٹے کٹی نہیں مجھ رند سے برسات کی رات
مے کدہ والی جو مل جائے تو کچھ کام چلے

غالب کی غزل اس زمین میں ہے، مومن، شیفتہ اور دیگر مشاہیر کی بھی۔ آسی غازی پوری کی غزل اس زمین میں دیکھنے کی چیز ہے۔“

باب سوم: سلسلہ رشیدیہ اور مشائخ رشیدیہ جون پور

اس باب میں کل ۹؍ مضامین شامل ہیں۔ تمام مضامین سلسلہ رشیدیہ اور مشائخ رشیدیہ کا اجمالی تعارف و تاریخ پیش کرتے نظر آتے ہیں، البتہ ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہسرامی کا مضمون قدرے طویل ہے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد عبد المبین نعمانی، ڈاکٹر ارمان احمد رشیدی، مولانا مجیب الرحمٰن علیمی، مولانا عبد الغفار نوری اور مفتی شہاب الدین اشرفی کی تحریریں بھی متاثر کن ہیں۔

باب چہارم: عہد و پس منظر

اس باب میں تین مضامین شامل ہیں۔ تینوں مضامین کافی اہم ہیں بالخصوص ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کا مضمون ”حضرت آسی کے عہد میں ملکی و مذہبی حالات“ کافی تحقیقی ہے۔ ڈاکٹر سجاد عالم رضوی کا طویل مقالہ ”حضرت آسی، تصوف اور تصوف مخالف تحریک“ بھی کافی اہم ہے۔ آپ مضمون کے اخیر میں فرماتے ہیں:

حضرت شاہ عبد العلیم آسی نے ۱۸؍ ویں صدی کے نصف آخر اور ۱۹؍ ویں صدی کے نصف اول میں اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ان خیالات اور ان کے سوانحی حالات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمی اور عملی طور پر تصوف اور اہلِ تصوف کے موقف، افکار و نظریات اور معمولات سے مکمل طور پر اتفاق رکھتے تھے۔ اس دور میں اسماعیل دہلوی کی تحریک ”طریقۂ محمدیہ“ کے اثرات کی وجہ سے پیدا تصوف مخالف رجحانات کے رد کی طرف انھوں نے اپنے اشعار میں اشارے بھی کیے ہیں۔ ان کا موقف پیش رو صوفیہ کرام کی تعلیمات کے مطابق تھا۔ وہ دیگر صوفیہ کرام کی طرح اصلاح و تجدید کے تناظر میں ایمان و عقیدے کی درستگی، شریعت پر عمل، قرآن و سنت کی اطاعت و اتباع کے ساتھ ساتھ کسی کامل مرشد کی نگرانی و تربیت میں سفرِ سلوک پر چلنے کی تلقین کرتے تھے۔ اسی لیے ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعہ میں ”اصلاح و تجدید“ کو کسی ایک تحریک سے جوڑنے کی کوشش پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔“

باب پنجم: احوال و کمالات

اس باب میں کل ۹؍ مضامین شامل ہیں۔

مجموعی اعتبار سے یہ کافی اچھی کوشش ہے، اور جیسا کہ سرورق پر کتاب کے نام کے ساتھ [جلد اول] لکھا ہے۔ اور اب سنا ہے کہ اس کی دوسری جلد بھی منظر عام پر آچکی ہے۔ اگر موقع ملا تو ان شاء اللہ اس پر بھی اظہار خیال کرنے کی کوشش کروں گا۔ ☆☆☆☆

محبت ہی محبت حافظِ ملت

چراغِ محفلِ صدرِ شریعت حافظِ ملت
جمالِ گلستانِ اعلیٰ حضرت، حافظِ ملت

تجلی مشرق و مغرب میں ہے ان کے ستاروں کی
ہلالِ آسمانِ علم و حکمت، حافظِ ملت

تقدس مسندِ تدریس کا جس نے بڑھایا ہے
یقیناً درس گاہوں کی ہیں زینت، حافظِ ملت

وہ مے خانہ جہاں فطرت سنور جاتی ہے رندوں کی
شرابِ علم سے ملتی ہے رفعت، حافظِ ملت

وہ جس نے اپنے در کی خاک میں بھی بجلیاں بھر دیں
وہی بجلی ہے باطل پر قیامت، حافظِ ملت

اُسی درگاہ سے ملتی ہے جسم و جاں کو رعنائی
ہمیں دیتے ہیں علمی شان و شوکت، حافظِ ملت

وہ مالی جس کے دَم سے ہو گئے اُجڑے چمن زندہ
حسینی باغ کے پھولوں کی نزہت، حافظِ ملت

بہارِ رضویتؔ مہکی جہاں مصباحیتؔ بن کر
بریلی کی بصارت اور بصیرت، حافظِ ملت

ملا ہے مرشدِ فکر و نظر مصباحیو! تم کو
عطا کرتے ہیں ہر لمحہ ہدایت، حافظِ ملت

لگائی تھی جو ہم نے خاک تیرے آستانے کی
وہی مٹی ہے اب تاجِ کرامت، حافظِ ملت

ترے در سے وفاؤں کا قرینہ ہم نے سیکھا ہے
محبت کا حرم ہے تیری تربت، حافظِ ملت

ثریا کی طرح قدموں کی مٹی جگمگاتی ہے
زمیں کو آسماں ہے تیری نسبت، حافظِ ملت

ترے ذرے زمانے بھر میں سورج بن کے روشن ہیں
ترے قطروں میں ہے دریا کی وسعت، حافظِ ملت

جھلکتی ہے تری زیبائشِ فن اشرفیہ سے
نہ ہوگی کم ترے جلووں کی رنگت، حافظِ ملت

ترے دستِ خرد نے قوم کی شیرازہ بندی کی
ہیں نازاں تجھ پہ سارے اہلِ سنت، حافظِ ملت

ترے کردار کے اندر جمالِ مصطفائی ہے
ترا شیوہ محبت ہی محبت، حافظِ ملت

کبھی غافل نہ ہوں ہم عصرِ حاضر کے تقاضوں سے
ترے در سے ملے ایسی فراست، حافظِ ملت

فروزاں ہو ترا مرقد مثالِ صبحِ تابندہ
برستی ہی رہے رب کی عنایت، حافظِ ملت

اُسی فیضان سے میرا نشیمن ہے بلندی پر
فریدیؔ کچھ نہیں! بس میری عزت، حافظِ ملت

محمد سلمان رضا فریدی مصباحی

سفر آخرت

جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں حضرت علامہ مفتی محمد یامین رضوی مراد آبادی کا انتقال پرملال

باکمال مدرس حضرت علامہ مفتی محمد یامین رضوی معصوم پور ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنی علمی گہرائی اور تعمقِ نگاہ کے لیے بہت معروف تھے۔ ۱۶/ شوال ۱۴۳۶ھ/ ۲/ اگست ۲۰۱۵ء کو ۱۲/ بجے شب حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا۔ بنارس کے متعلقین نے ایمبولینس کے ذریعہ بصد حسرت ویاس انھیں ان کے گاؤں کے لیے روانہ کیا، ۴/ اگست ۲۰۱۵ء کو ساڑھے ۹/ بجے ان کے گاؤں معصوم پور میں تدفین ہوئی۔ ان کے جنازے میں کثیر تعداد میں علما و مشائخ اور عوامِ اہلِ سنت نے شرکت کی، اور سب نے اپنے غم واندوہ کا اظہار کیا، حضرت مفتی علیہ الرحمہ کے وصال پرملال کی خبر سن کر علمائے اشرفیہ نے بھی رنج وغم کا اظہار کیا۔ ۳۰/ جون ۲۰۱۵ء کو وہ گورنمنٹ کی ملازمت سے ریٹائر ہو گئے تھے، اس کے بعد مدرسہ کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ جب تک حضرت حیات ہیں، وہ اسی مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں گے اور ان کا باضابطہ تقرر ہو گیا، مگر افسوس بستر پر لیٹے ہوئے اچانک حرکت قلب بند ہو گئی اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تفصیلی حالات آئندہ.... (ادارہ)

الحاج محمد عباس رضوی انصاری ہوڑہ کا انتقال

مغربی بنگال کے مشہور و معروف تاجر، دار العلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ کی مجلس منتظمہ کے بانی رکن، اپنے کردار و عمل کے غازی، مسلکِ اعلیٰ حضرت کے پرجوش داعی، محترم الحاج محمد عباس انصاری قادری رضوی گذشتہ دنوں مورخہ ۶/ جون بروز ہفتہ مطابق ۱۸/ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ، صبح ۷/ بجے ایک طویل علالت کے بعد اپنی رہائش گاہ ٹکیہ پاڑہ ہوڑہ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرے جنازے پہ رونے والو، فریب میں ہو بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں، غمِ نبی میں لباسِ ہستی بدل دیا ہوں

الحاج محمد عباس انصاری اپنی تمام تر کاروباری مصروفیات کے باوجود مسلک اعلیٰ حضرت اور دین وسنیت کی ترویج و اشاعت میں ساری زندگی مصروف عمل رہے۔ وہ مفسر اعظم ہند، نبیرۂ امام احمد رضا، حضرت علامہ مولانا ابراہیم رضا خاں علیہ الرحمہ کے مریدِ خاص تھے۔ ان کی ذہنی وفکری تربیت میں ان کے مرشدِ گرامی قدر کی صحبتوں کا فیضان شامل تھا۔ ان کا مکان "رضوی منزل" تمام اکابرینِ اہلِ سنت کا شہر کلکتہ میں مسکن ہوتا۔ حضور مفتی اعظم ہند، حضور حافظ ملت حضور مجاہد ملت حضور ریحان ملت، علامہ مشتاق احمد نظامی، علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، تاج الشریعہ حضور ازہری میاں مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، جب بھی کسی دینی کانفرنس، یا تبلیغ ودعوت کے حوالے سے کلکتہ تشریف لاتے، ان سب بزرگوں کا قیام الحاج محمد عباس انصاری کے گھر ہوتا۔ اور وہ ہفتوں تک ان کی میزبانی کا شرف حاصل کرتے۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری کا تو جمشید پور کے بعد یہ اپنا گھر تھا۔ علامہ یہاں مہینوں قیام فرما رہے اور مغربی بنگال میں اہلِ سنت و جماعت کی تمام تر تحریکی وتنظیمی منصوبہ بندیوں کو یہیں بیٹھ کر عملی شکل دیتے۔ گویا الحاج محمد عباس رضوی کا گھر برسوں تک علامہ کی دینی و ملی اور مسلکی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ الحاج محمد عباس رضوی مرحوم اور ان کے برادر اصغر الحاج محمد قاسم رضوی ایک وفاکیش اور جاں باز سپاہی کی طرح کلکتے کے اطراف و جوانب میں احیائے سنیت کے لیے ہر لمحہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری کے ساتھ ہوتے۔ مغربی بنگال ہوڑہ کی مرکزی دینی درس گاہ دار العلوم ضیاء الاسلام کے قیام میں بھی دیگر رفقائے کار کے ساتھ ساتھ الحاج محمد عباس رضوی کی بھی حد درجہ نمایاں خدمات ہیں۔

ان کا شمار دار العلوم کے لیے ان درد مند اور اخلاص پیشہ لوگوں میں کیا جاتا ہے جنھوں نے علامہ ارشد القادری کی ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی ساری متاع حیات ان کے قدموں میں رکھ دی تھی۔ دار العلوم ضیاء العلوم ہوڑہ کلکتہ کے دیوار و در اور قیامت کی صبح تک ان کے حق میں صدقۂ جاریہ رہیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ مرحوم کے صاحب زادگان بھی اپنے والد ماجد کے دینی مشن کو

انھیں خطوط پر آگے بڑھانے میں شب و روز کوشاں رہیں گے۔

الحاج محمد عباس رضوی انصاری کا وصال مغربی بنگال کلکتہ کی تاریخ ساز دو روزہ سرکار مدینہ کانفرنس کے پہلے دن ہوا ملک کے نام ور علما، خطبا اور شعرا کانفرنس میں تشریف لائے تھے، وہ سب کے سب نماز جنازہ میں شریک تھے "الدنیا مزرع الآخرۃ"، یہ حسنِ اتفاق بارگاہِ خداوندی میں ان کے اعمال حسنہ کا پتہ دیتا ہے۔ یہ سب نسبتوں کی بہاریں ہیں، جو کسی عاشقِ زار کو پس مرگ میسر آتی ہیں اور پھر یہی اس کی مغفرت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ مجھے بھی جب یہاں انگلینڈ میں انتقال کی خبر موصول ہوئی، میں مانچسٹر کی ایک عظیم کانفرنس میں موجود تھا، جہاں برطانیہ، یورپ اور پاکستان کے علما اور نعت خواں حضرات تھے، ان سب نے کانفرنس کے اختتام پر الحاج عباس رضوی کے وصال پر افسوس کا اظہار کیا اور پورے مجمع سے اجتماعی دعا کی درخواست کی گئی۔ ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے جملہ قائدین خصوصاً مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی لندن، علامہ شاہد رضا نعیمی لندن، علامہ بدر القادری ہالینڈ، علامہ قاری محمد اسماعیل راچڈیل، علامہ محمد ارشد مصباحی مانچسٹر، صاحب زادہ محمد خوشتر صدیقی ماریشش نے اپنے مشترکہ بیان میں الحاج محمد عباس رضوی کے وصال کو مغربی بنگال خصوصاً کلکتے کے سنی حلقوں کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا اور کہا کہ ان کی دینی خدمات برسوں تک یاد رکھی جائیں گی۔ ربِ قدیر ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ ورلڈ اسلامک مشن کے مراکز میں دعاے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

میں اپنی جانب سے الحاج محمد عباس رضوی انصاری کے برادرِ اصغر الحاج محمد قاسم رضوی انصاری اور ان کے تمام صاحب زادگان، برادرم محمد علی، شوکت علی، عبد العلی، احمد علی، عبد القادر کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اللہ جل شانہ حاجی صاحب کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

الحاج عباس انصاری جیسی شخصیتیں اپنے حسنِ عمل اور کارِ خیر کے نتیجے میں تاریخ انسانی کا ایک حصہ بن کر بقاے دوام پاتی ہیں یقینی طور پر ہماری شاہ راہِ حیات پر ان کے تذکرے بھی بہت دیر تک باقی رہیں گے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے۔

شریکِ غم۔ محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ۔

(ص:۲۱ کا بقیہ) آج میڈیکل سائنس نے ہمیں یہ معلومات فراہم کی ہیں کہ انسان کے دماغ کا اگلا حصّہ جسے Prefrontal Area کہتے ہیں، سامنے والے حصے (پیشانی) میں واقع ہے اور جو کسی اچھے یا برے کام کے کرنے کے بارے میں سوچ بچار اور تحریک پیدا کرتا ہے اور یہی حصّہ انسان کے سچ یا جھوٹ بولنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ایک اور کتاب میں انسانی دماغ کے متعلق لکھا ہے کہ:

"اسباب، دوراندیشی کے متعلق منصوبے اور حرکت کی طرف پیش قدمی سر کے سامنے والے حصے پیشانی میں وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کو (Prefrontal Area) کہتے ہیں"۔

پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے مطابق سائنس دان سر کے سامنے والے حصہ پیشانی کے اس فریضہ منصبی کو پچھلے ساٹھ سالوں کے دوران دریافت کر پائے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں چونکہ ذکر ابوجہل کا آیا ہے لہٰذا اسی وجہ سے یہاں پیشانی کو سخت خطار کار اور جھوٹا ہی کہا گیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کے مطابق جدید تحقیق نے دریافت کیا ہے کہ اگر دماغ کا یہ حصہ کسی وجہ سے ناکارہ ہو جائے تو وہ انسان اخلاقی پستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس حصے میں نقص واقع ہونے سے انسان برے کاموں کے متعلق سوچنا شروع کر دیتا ہے اور آخر کار وہ اپنے مسائل کو حل کرنے میں بھی ناکام ہو جاتا ہے۔ جھوٹ کی شروعات اسی حصے (Frontal Lobes) کے مرکز سے ہوتی ہے۔ دماغ کا یہی حصہ جھوٹ بولنے پر اکساتا ہے اور اس پر عمل کروانے کے لیے جسم کے دوسرے حصوں کو ہدایات بھی دیتا ہے۔ (جاری)

ماخذ و مراجع

(۱) -قرآن مجید (۲)-اللہ کی نشانیاں۔
(۵)۔ سائنسی انکشافات قرآن و حدیث کی روشنی میں
(۶)اللہ کی نشانیاں، عقل والوں کے لیے۔
(۷)۔ مائیکروسافٹ اینکارٹا انسائیکلوپیڈیا، ۱۹۹۶
(۸)۔ بائبل، قرآن اور سائنس از مورس بوکائیے۔
(9)-Microsoft Encarta DVD Edition 2009
(10)-Essentials of Anatomy & Physiology, Seeley and Otmers, P. 211
(11)-The Scientific Miracles in the front of the Head, Moore & Others, P. 41
(12)http://www.55a.net
(13)http://www.windows.ucar.edu/tour/link=/earth/Life/genetics_intro.html

صدائے بازگشت

سلگتے ہوئے موضوعات پر فکر انگیز اداریے

مدیر ماہنامہ اشرفیہ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ کئی سالوں سے یہ ناچیز ماہنامہ اشرفیہ کا مطالعہ کر رہا ہے بفضلہ تعالیٰ اس کے مضامین اور حسن ترتیب سے اس کا معیار روز افزوں ہے۔ موقع کی مناسبت سے حالات و زمانے کے سلگتے ہوئے موضوعات پر فکر انگیز اداریے آپ کی تجربہ کار صحافت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو، ماہنامہ اشرفیہ اور الجامعۃ الاشرفیہ کو دن دونی رات چوگنی ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین

علامہ مشتاق احمد نظامی اور علامہ کامل سہسرامی علیہما الرحمہ پر چند سطور قلم بند کر کے بھیج رہا ہوں اگر مناسب سمجھیں تو ماہنامہ میں شریک اشاعت فرمالیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی مضمون اور کچھ منظوم نعتیہ کلام بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ اشرفیہ کے اساتذہ اور اپنے شرکا کار کو بالخصوص سلام مسنون کہیں، امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ فقط والسلام محمد میکائیل ضیائی

الجامعۃ العربیہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کانپور

E.mail.....mmziai4@gmail.com

مولانا ناظر اشرف (ناگپور) کا ناکام فریب

مکرمی.................................السلام علیکم

۲۰۱۳ء میں "سہ ماہی المختار کلیان" کے امام علم و فن نمبر" کے لیے "امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی علیہ الرحمہ کے بعض مشاہیر تلامذہ" کے زیر عنوان راقم السطور نے ایک مضمون لکھا تھا، جو شائع ہوا۔ مولانا ناظر اشرف صاحب بھی حضرت امام علم و فن کے شاگردوں میں ہیں، اس لیے اخلاقی طور پر اس میں ان کا بھی ذکر کرنا ضروری تھا۔ میں ذاتی طور پر ان کے احوال و کوائف سے واقف نہ تھا، ان کو صرف دو تین چھوٹے موٹے اور نرم گرم مضامین ہی کے توسط سے جانتا تھا، محترم مولانا احمد رضا کلیان نے ان کے بارے میں کچھ ضروری معلومات فراہم کیں، انہیں کی فراہم کردہ معلومات اور خود مولا نا ناظر اشرف نے جو اپنی ذات و شخصیت کے احوال و کوائف بذریعہ موبائل لکھوائے، اس پر اعتماد کرتے ہوئے معمولی حذف و اضافہ اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ مضمون کی شکل دے دی جو امام علم و فن نمبر میں شائع ہوا۔

ابھی چند ماہ پیش تر مولانا ناظر اشرف نے خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کے خلاف "مصباحی صاحب کی تحقیق پر نوری تبصرہ" کے نام سے کوئی رسالہ لکھا ہے۔ مولانا موصوف نے اسی میں میرے مضمون (امام علم و فن کے بعض مشاہیر تلامذہ) کو اپنی حیات و خدمات کے تعارف کے لیے "محقق عصر حکیم الملت مفتی ناظر اشرف قادری" کے عنوان کے ساتھ شامل رسالہ کیا ہے جس سے قارئین کو یہی اندازہ ہوگا کہ محمد مبشر رضا ازہر مصباحی کا یہ مضمون خاص اسی کتاب کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ اجازت و اطلاع کے بغیر اس کی تحریر کو ایک مسلمان وہ بھی مولانا و مفتی ہو کر اصل مضمون بنا کر کتاب میں شامل کر لے۔ یہ کسی کے لیے افسوس ناک پہلو ہو یا نہیں کم سے کم میرے علم و مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ کیوں کہ میرا مزاج کبھی بھی اپنی تحریر کو کسی ایسی کتاب میں شامل کرنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا جو مسلک اعلیٰ حضرت یا مسلک اعلیٰ حضرت کی نمائندہ اور بلند قامت علمی و تحقیقی شخصیات کے خلاف لکھی جائے۔ اور نہ خود میں اس موضوع پر لکھتا ہوں۔ مولانا صاحب کو اگر اپنی حیات و خدمات کا تعارف ہی پیش کرنا مقصود تھا تو چاہیے تھا کہ وہ خود ہی اس کو لکھ لیتے یا پھر کسی سے لکھوا لیتے، اگر کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اپنے تعارف کے لیے میری ہی تحریر کو ناگزیر سمجھتے تھے تو کم از کم مجھ سے رابطہ کر لیتے اور اگر رابطہ کرنے میں کوئی مانع حائل ہو رہا تھا تو امام علم و فن نمبر کا حوالہ دے دیتے تاکہ قارئین اس عظیم دھوکہ میں نہ پڑتے۔

مزید براں یہ کہ مولانا صاحب نے مضمون کے اخیر میں "تصانیف حکیم الملت مدظلہ" کے عنوان سے اپنی ان تمام کتابوں اور رسالوں کا ذکر کیا ہے جو میرے مضمون لکھنے سے پہلے یا بعد میں لکھی گئیں جس سے قارئین کو شبہہ ہوتا ہے کہ مضمون نگار ان کی ان تمام کتابوں سے تفصیلاً نہ سہی اجمالاً ضرور واقف ہے، حالاں کہ میرے مضمون لکھتے وقت ان میں بعض کتابوں کے بارے میں مجھے تو کیا بلکہ خود مولانا صاحب کے حاشیہ ذہن میں بھی نہیں آیا ہوگا چہ جائے کہ میرے علم میں، کیوں کہ ان کی بعض کتابیں امام علم و فن نمبر شائع ہونے کے بعد وجود پذیر ہوئیں اور اگر مولانا یہ تاویل بے جا کریں کہ ان میں بعض کتابیں پہلے لکھی گئی تھیں اور بعد میں طبع ہوئیں ہیں تو اس تاویل کی آڑ میں ایک اور انکشاف ہوگا کہ وہ علم غیب بھی رکھتے ہیں یا پھر مقام ولایت سے سرفراز، کیوں کہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ العالی کی کتاب "فقہ حنفی

میں حالات زمانہ کی رعایت، امام علم و فن نمبر کے شائع ہونے کے بعد منظر عام پر آئی اور مولانا اس کا جواب پہلے ہی لکھ چکے تھے۔

میں اس طرح کی غیر ذمے دارانہ حرکتِ شنیع کی سخت مذمت کرتا ہوں اور میرے استفسار پر مولانا موصوف نے اپنے تعلق سے جو معلومات فراہم کروائیں، اب ان کے جو حالات سامنے آئے، اس سے اندازہ ہوا کہ مولانا موصوف کی بتائی ہوئی معلومات پر اعتماد کرنا قطعی غیر مناسب تھا، اس لیے میں اپنے اس مضمون میں مندرجہ معلومات سے عدم اعتماد ظاہر کرتا ہوں اور مولانا موصوف سے گذارش کرتا ہوں کہ آئندہ اس طرح کی حرکت کم از کم میرے ساتھ کرنے سے گریز کریں۔

اللہ تبارک و تعالی مسلمانوں کو اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھے اور مسلک اعلی حضرت پر قائم رہنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین ﷺ۔

از: محمد مبشر رضا ازہر مصباحی، احمد آباد گجرات
E-mail;azhar.misbahi1@gmail.com

میں اس کتاب کا مصنف نہیں

میں ہندوستانی سہیل انجم ہوں وہ پاکستانی ہیں

مکرمی.................................... السلام علیکم

نئی دہلی۔ ۲۳ جون۔ ڈاکٹر سہیل انجم پاکستان کے ایک معروف ڈاکٹر اور قلم کار ہیں۔ وہ لاہور کے ایک اسپتال میں شعبہ انیستھسیا میں برسرکار ہیں۔ ان کا پتہ یوں ہے:

Dr. Suhail Anjum, Department of Anesthesiology, Pain Management & Intensive Care, Lahore General Hospital, Lahore (Pakistan); Phone: 092-42-5862623; Cell: 0092-300-4648435; E-mail: docsuhail@gmail.com

تصنیف و تالیف سے بھی ان کو حد درجہ شغف ہے۔ اسلامی موضوعات پر ان کے مضامین نظر آتے رہتے ہیں۔ "نور القرآن" ان کی ایک مشہور و مقبول تصنیف ہے جو انھوں نے اپنی اہلیہ کے تعاون سے لکھی ہے۔ بزرگ اسکالر مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی نظر ثانی کے بعد دارالسلام ریاض لاہور، پاکستان نے مئی ۲۰۱۱ میں اسے شائع کیا ہے۔ پیش لفظ کے آخر میں ڈاکٹر سہیل انجم نے اپنا پتہ اور عہدہ یوں درج کیا ہے: ڈاکٹر سہیل انجم، کنسلٹنٹ انیستھیٹسٹ نواز شریف سوشل سیکورٹی ہسپتال، ملتان روڈ لاہور۔ فون نمبر ۰۳۰۰۴۴۱۰۳۰۵۔ اس کتاب کو فرید بک ڈپو دہلی نے بھی شائع کیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ پتہ بھی اس پر جوں کا توں موجود ہے۔ اس ادارہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ رسالہ جہان کتب میں کئی مہینے سے اس کتاب کا جو اشتہار آرہا ہے اس پر درج ہے "ہندوستان کے نوجوان صحافی، ادیب اور دانشور جناب سہیل انجم کی گراں قدر تالیف"۔ (بحوالہ: جہان کتب نومبر ۲۰۱۴)۔ اب دہلی کے اخبار "راشٹریہ سہارا" اردو کے ۲۱ جون کے شمارے میں بھی فرید بک ڈپو کی جانب سے یہ اشتہار شائع ہوا ہے اور اس میں بھی مصنف کے طور پر میرا نام اسی طرح لکھا گیا ہے۔ جب اس سلسلے میں فرید بک ڈپو کے تصنیفی معاملات کے نگراں معروف صحافی اور قلمکار جناب فاروق ارگلی سے میں نے گفتگو کی تو انھوں نے کہا کہ "میں نے ہی یہ اشتہار بنایا تھا اور یہ کہ تو ہندوستانی سہیل انجم کو جانتا ہوں پاکستانی سہیل انجم کو نہیں"۔ تاہم انھوں نے یقین دلایا کہ اگلے اشتہار میں تصحیح کردی جائے گی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہوگئی کہ بہت سے لوگ بذریعہ فون مجھ سے اس کتاب کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

سہیل انجم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔
sanjumdelhi@gmail.com

شرح فقہ اکبر کے نازک مقامات

مکرمی.................................... السلام علیکم

یہ عاجز فقیر سب سے پہلے اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے میرے لکھے ہوئے مضمون "شرح فقہ اکبر کے نازک مقامات" کو مقبولیت بخشی اور اسکے بعد ماہنامہ اشرفیہ کی پوری مجلس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ جس نے راقم کے مضمون کو اپنے ماہنامہ کے اولین صفحات میں جگہ دی۔ ایک طرف تو مجھے اس مضمون کے شائع ہونے کی خوشی ہے اور دوسری طرف علم کے ناقدر شناس لوگوں سے شکوہ بھی ہے کیونکہ راقم نے جب یہ مضمون لکھا تھا تو متعدّد حضرات کو یہ مضمون دکھایا تھا تاکہ ان سے تاثرات لئے جا سکیں۔ اکثر نے کوئی خاص توجہ نہ دی یا پھر سرسری نظر سے دیکھا، اور ایک صاحب نے تو یہاں تک فرما دیا کہ یہ تو کوئی کام نہیں ہے، شرح فقہ اکبر کی جو اغلاط آپ نے بیان کی ہیں یہ سب کی سب آپ نے بزرگوں کی کتب و تحریرات کے حوالے سے بیان کی ہیں آپ نے خود سے کوئی غلطی نکالی ہو تو بتائیں۔ یعنی آپ نے بغیر کسی حوالے و دلیل کے جو کام کیا ہے وہ بتائیں۔ ایسے شخص کے جواب کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے: انا للہ وانا الیہ راجعون

اس سے بھی زیادہ افسوس اس وقت ہوا جب یہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ میں چھپ کر آگیا اور اسکے بارے میں شکیل احمد مصباحی صاحب کے بھاری بھرکم تعریفی کلمات پڑھ کر بعض تنگ نظر حضرات نے مجھے اشارۃً یہ کہہ دیا کہ آپ نے خود ہی مضمون لکھا اور خود ہی شکیل احمد مصباحی کا فرضی نام اختیار کر کے اس مضمون کے بارے میں تعریفی کلمات بھی داغ دیئے۔ اس بات سے مجھے سخت صدمہ ہوا ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں شکیل احمد مصباحی صاحب کو ہرگز نہیں جانتا حتی کہ یہ نام بھی میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔ اللہ کریم شکیل احمد مصباحی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اس قدر حوصلہ افزاء کلمات اس باعث ننگ عار (افتخار) کے لیے ادا فرمائے۔ میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کام کی حوصلہ افزائی کی جائے تو مزید تاریخی کام پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن اسکے برعکس اگر یہی روش رکھی گئی تو صلاحیتوں کا گلا گھٹ کر رہ جائے گا۔

فقط افتخار احمد مدنی

اب کچھ یعقوب میمن کے تعلق سے

مکرمی.................................سلام مسنون

مورخہ ۳۰/ جولائی ۱۵ء کی صبح یعقوب میمن اور ان کے اہل خانہ کے لیے کتنی بھیانک صبح رہی ہوگی اس کا اندازہ صرف انہی کو ہونا ہے اور ہوا ہے پوری دنیا میں چاہے جو بھی اثرات مرتب ہوئے ہوں وہ اپنی جگہ مگر ایک باپ اور بیٹی کے جو تاثرات تھے وہ نہ کسی آنکھ والے نے دیکھا اور نہ ہی کسی کان والے نے سنا کہ یہ چیزیں سنی اور دیکھی نہیں جاتیں، صرف محسوسات تھے وہ، یعقوب میمن پر بہت کچھ لکھا جا چکا اور میڈیا میں آئی خبروں سے اثرات بھی مرتب ہو چکے ہیں، قارئین کو یہ بھی معلوم ہے کہ اسی وطن عزیز میں ان لوگوں کی پھانسی کی سزائیں بھی عمر قید میں تبدیل ہوئی ہیں جن لوگوں نے ایسی شخصیتوں کو قتل کیا تھا جنہوں نے چمن ہند کو اپنے خون جگر سے سینچا تھا، کشت وطن کی ہریالی باقی رکھی تھی، طن، من، دھن سے آزادی دلائی، مگر قانون کے ہاتھ بہت ہی لمبے ہوتے ہیں ان کو جو کرنا ہوتا ہے کوئی اسے روکنے کا اس سے دست تطاول نہیں رکھتا، ملک کی عدالت کے ہر ایک حرف کو تسلیم کرنا ہر ہندی پر ضروری ہے، اس سے کسی طرح کا انکار قانون کی خلاف ورزی ہے مجھے بڑا افسوس ہوا کہ یعقوب میمن کی پھانسی کے بعد جس طرح سے لوگوں نے ان کی پھانسی پر تجزیے اور تبصرے کئے کاش کہ یہ تجزیے اور تبصرے کچھ پہلے کرتے تو بات کچھ اور ہوتی، دکھ پر دکھ جتانے سے یعقوب میمن کو دی گئی پھانسی واپس نہیں ہو سکتی، مگر اتنا ضرور ہے کہ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، یعقوب میمن کی پھانسی کو عمر قید میں تبدیل کرنے کے لیے آخری کوشش مسلم قیادت سے لیکر سیکولر ہندو برادی تک نے کی، ملک کے اعلیٰ وکلاء و دیگر سرکردہ شخصیات نے کی مگر کچھ بھی کاگر ثابت نہ ہوئی جس سے جگ ظاہر ہے کہ ہماری کوشش مستفید ثابت نہیں ہوئی ہے، ابھی ہمیں اس کے اسباب کی فکر اور نتیجہ پر غور کرنا چاہئے، نہ یہ کہ ہم بار بار اسی پر تبصرہ کرتے رہیں

لیکن موجودہ احوال و کوائف میں بہتر مستقبل کے بارے سوچنا ضروری ہے، اپنے ایوان عقل و خرد سے پوچھئے کہ کیا کوئی فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے؟ تو ایوان عقل کے کارندے جواب دیں گے کہ نہیں، آخری نہیں، بلکہ جب جب بھی وضع کردہ قانون کی خلاف ورزی ہوگی، قانون اپنا کام کرے گا، سزائیں دی جائیں گی، ضرورت پڑنے پر پھانسی کے پھندے چومنے پڑیں گے، فریادیں اور درخواستیں رد کی جائے گی کہ یہ اس کا منصب اور حق ہے، لہٰذا ہمدردان ملت کو ایسے اصولوں کی طرف توجہ دینی چاہیے جن اصولوں کی وجہ سے بدترین واقعات رونما ہوتے ہیں اور اس کے رد عمل میں شامل مشتعل افراد قصور وار قرار دئے جاتے ہیں، آج مسلمان جن اصولوں اور جذبات کے ساتھ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں ان کو بھیانک صبح کی علامت ہی قرار دی جاسکتی ہے، مسلم سیکولر قیادت ہوں یا پھر غیر مسلم سیکولر قیادت ہر دو ہمارے جذبات کا کتنا احترام کرتی ہیں اور ہماری ضرورتوں سے کتنا فکر مند ہیں اس پر غور و فکر کرنے کی بہت ضرورت ہے، مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی کے علاوہ مذہبی زندگی جس طرح گزار رہے ہیں وہ کل چل کر مشکل کن اور تکلیف دہ ثابت ہو سکتے ہیں، ہندوستان میں جمہوری نظام ہے، جمہوری نظام ہونے کے باوجود مسلمانوں کے تئیں قیادتیں اتنا نہیں سوچ پا رہی ہیں یا نہیں سوچ رہی ہیں جتنا کہ انہیں سوچنا تھا، فقط الیکشن کے دوران لچھے دار پر جوش تقریریں ہوتی ہیں، مسلمانوں کو لالی پاپ دے دئے جاتے ہیں اور ہرے ہرے باغات کی سیر کرا کر اپنے خود غرض بلوں میں گھس جاتے ہیں، اگر مسلم معاشرہ کی اہم ضرورتوں کی طرف ایماندارانہ توجہ دی جاے تو واضح ہو جائیگا کہ آج بھی مسلم معاشرہ میں کئی اصول وضابطے ہیں جن پر نظر ثانی کئے بنا مسلمان مذہبی آزادی سے لطف اندوز نہیں سکتے۔ فقط

محمد اختر علی واجد القادری، میرا روڈ ممبئی

عالمی خبریں

پریسٹن (انگلینڈ) میں سنی دعوت اسلامی کا بیسواں سالانہ اجتماع

۲۲؍مئی بروز جمعہ ۲۰۱۵ء (عطاء الرحمن نوری): آج امت مسلمہ میں یہ سوچ ختم ہوچکی ہے کہ ہمیں اپنے کام اور وقت میں کس چیز کو فوقیت دینا چاہیے۔ اسلام میں Priority (اولیت، فوقیت، سبقت، پہل، تقدم) کو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ انسان کامیاب اس وقت بنتا ہے جب وہ پرائریٹی کی جانب توجہ دیتا ہے۔ آقا علیہ السلام، صحابۂ کرام اور اسلاف کی حیات میں پرائریٹی کے واضح و تابندہ نقوش ملتے ہیں۔ مگر افسوس مسلمانوں کو ابھی تک یہ ہی نہیں معلوم کہ اولیت کسے دینا چاہیے۔ اسی لیے آج کا مسلمان شریعت کے مطابق نہیں بلکہ اپنی طبیعت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔ مسلمانوں کی راتیں سوشل میڈیا کی نذر ہوتی ہیں اور دن کھیل کود میں صَرف ہوتا ہے۔ کسی بھی قوم میں انقلاب اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس میں قوت فکر و عمل پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے رسول مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے سوچ و فکر کو تبدیل کیا تھا۔ حضور ﷺ نے علم اور اخلاق کو اولیت کا درجہ دیا۔ ان فکر انگیز جملوں کا اظہار داعیِ کبیر حضرت علامہ محمد شاکر نوری صاحب (امیر سنّی دعوت اسلامی) نے پریسٹن (انگلینڈ) میں منعقدہ بیسویں سالانہ تین روزہ سنّی اجتماع کے پہلے دن خواتین اسلام کے جمِ غفیر میں کیا۔ احادیث مبارکہ کی روشنی میں پرائریٹی کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا موصوف نے فرمایا کہ مردوں کے لیے اسلام نے ماں کے حقوق کی ادائیگی کو اولیت دی جبکہ عورت کے لیے پرائریٹی یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق ادا کرے۔ نماز کی فرضیت کا حکم صرف عاقل اور بالغ پر ہے گویا کہ نماز جیسی افضل عبادت میں بھی عقل و بلوغت کو فوقیت دی گئی ہے۔ مالک نصاب ہو تو تمام اخراجات کے نکالنے بعد منافع پر ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ہے گویا کہ یہاں بھی اہل خانہ کی کفالت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ صدقہ و خیرات کی ادائیگی کے وقت بھی اسلام نے قریبی رشتے داروں کو ترجیح دی ہے۔ حضرت مولانا محمد شاکر نوری صاحب نے مومن اور کافر کی سوچ کے متعلق فرمایا کہ کافر صرف دنیا کے متعلق سوچتا ہے جبکہ مومن کو آخرت کی فکر ہوتی ہے۔ آج پوری دنیا کے مسلمانوں کے دل میں صرف دنیا چھائی ہے۔ ہم یہ بھول گئے کہ ہمارے لیے Priority صرف آخرت ہے۔ آخرت کا خیال دل و دماغ سے نکلنے کے سبب ہی گناہوں کی کثرت ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اللہ رب العزت نے آپ کو اپنا "خلیل" کیوں بنایا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس لیے کہ میں دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہوں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے قائم کردہ خطوط کے مطابق زندگی گزاریں، دنیا کو سنوارنے کے ساتھ آخرت کے بارے میں غور و خوض کریں اور ہر اس کام سے بچیں جو اللہ عزوجل اور رسول اکرم ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنے۔

مولانا موصوف نے حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے فکری خطاب میں فرمایا کہ آج ہماری قوم کی بچیاں فیس بک، ٹوئیٹر اور واٹس ایپ پر اپنی تصویریں رکھتی ہیں۔ غیر محرم سے چیٹنگ کرتی ہیں جبکہ عورت کی آواز بھی آواز ہے۔ حتیٰ کہ عورت کو بلند آواز سے تلاوت قرآن اور درود کے ورد سے بھی روکا گیا ہے۔ خواتین اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ اسلام نے ان کے لیے کیا مقدم رکھا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی تنہائیوں میں دوستوں سے اپنے تعلقات کو کیسے مضبوط کیا جائے یہ سوچنے کی بجائے اللہ رب العزت سے اپنے رشتے کو مضبوط کرنے پر توجہ دیں۔ موجودہ دور میں ہر انسان پریشان حال، مصیبت کا شکار اور سکون کا متلاشی ہے، اس ضمن میں امیر سنّی دعوت اسلامی نے فرمایا کہ آج لوگوں کو سکون اس لیے نہیں مل رہا ہے کہ لوگ اپنی آنکھ، زبان، کان، دل و دماغ اور دیگر اعضائے انسانی کا استعمال اسلامی قوانین کے خلاف کر رہے ہیں۔ اگر ان کا استعمال فرامین خدا اور سول کی روشنی میں کیا جائے تو ہر صاحب دل پُرسکون زندگی گزارے گا۔ اس لیے کہ نیکیوں کے سبب مولیٰ تعالیٰ پریشانیوں اور مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔ بے چینی و بے قراری کی وجہ حرص دنیا اور فکر آخرت سے غفلت ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جس حال میں بھی ہو اللہ پاک کا شکر ادا کریں۔ رب فرماتا ہے: "بے شک ہم نے اسے راہ بتائی یا حق مانتا، یا ناشکری کرتا۔" (سورہ دہر، آیت ۳، پارہ

۲۹)دنیاوآخرت میں کامیابی کے حصول کا نسخہ بیان کرتے ہوئے آپ نے چند آیات قرآنی کو پیش کیا۔چنانچہ رب کا ارشاد ہے:"بے شک مراد کو پہنچا وہ جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔"(سورۃ الاعلیٰ، آیت ۱۵،پارہ ۳۰)ایک اور مقام پر فرمایا:"اور اللہ کی طرف توبہ کرو،اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔"(سورۃ النور، آیت ۳۱،پارہ ۱۸)غرضیکہ مولانا موصوف نے آیات قرآنی اور احادیث مصطفی کی روشنی میں اجتماع سے پرائیویٹ کی اہمیت وافادیت،سکون واطمینان کا نسخہ اور کامیابی کا طریقہ موثر انداز میں بیان فرمایا۔اجتماع میں قاری محمد رضوان صاحب (مبلغ سنّی دعوت اسلامی) نے اپنی مدھر ومترنم آواز میں نعت رسول ﷺ سے سامعین کرام کو محظوظ فرمایا۔اجتماع کے پہلے دن کا اختتام صلوٰۃ وسلام اور دعا پر ہوا۔

۲۴ر مئی بروز اتوار ۲۰۱۵ء:بچے اللہ کی بخشی ہوئی امانت ہیں۔ والدین اپنے بچوں کی تربیت ایسی کریں کہ گناہ کے تصور ہی سے ان کے وجود پر خشیت ربانی کے سبب لرزہ طاری ہوجائے۔وہ جس جگہ بھی جائیں اپنی اخلاقی قدروں اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھیں۔مگر افسوس کہ دور حاضر کے مسلمان اپنے بچوں کے روشن وتابناک مستقبل سے غافل ہیں۔یہودیوں سے ہمیں چاہے جتنا اختلاف ہو مگر انہوں نے صدیوں تک اپنے عقیدے کو محفوظ رکھا ہے،ان کا بچہ انہی کی اسکول میں تعلیم وتربیت حاصل کرتا ہے،ایک جیسی وضع قطع اختیار کرتا ہے مگر افسوس مسلمانوں کا تشخص،وقار اور عظمت دن بہ دن مجروح ہوتی جارہی ہے۔ان علمی وفکری کلمات کا اظہار پرسٹن (انگلینڈ) میں منعقدہ سنّی دعوت اسلامی کے سہ روزہ سنّی اجتماع کے دوسرے دن مفکر اسلام حضرت علامہ قمرالزماں خاں اعظمی صاحب (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن) نے برادران اسلام کے جم غفیر میں کیا۔حدیث غار کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے علامہ اعظمی صاحب نے والدین کے حقوق،زنا کی تباہ کاریاں اور معاشی میدان میں عدل وانصاف پر مدلل خطاب فرمایا۔آپ نے والدین کے حقوق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے والدین کے لیے دعاؤں کو ہماری دعا کا حصہ بنادیا ہے۔اور قرآن نے ہمیں دعا کی اس طرح تعلیم دی کہ اے اللہ!ہمارے والدین پر ایسے رحم فرماجیسے انہوں نے بچپن میں ہم پر رحم فرمایا تھا۔والدین کی خدمت پر جنت کی بشارت اور نافرمانی پر جہنم کی وعید ہے۔ماں باپ کی خدمت کے سبب مصیبتیں ٹل جاتی ہیں جبکہ والدین کے حقوق سے غفلت برتنے والا دنیا ہی میں سزا کا حق دار بن جاتا ہے۔حدیث غار کے دوسرے جز کی وضاحت کرتے ہوئے حضور مفکر اسلام نے فرمایا کہ زنا انسانی معاشرے کا سب سے بدترین گناہ ہے۔زنا پورے معاشرے کو تعفن سے بھر دیتا ہے۔آج برائیاں بازاروں سے زیادہ شبستانوں اور انگلیوں کے اشاروں پر موجود ہیں۔ایسے دوستوں کی صحبت سے پرہیز کریں جن کی بدولت گناہوں کا امکان ہو۔حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت کردہ حدیث غار کے تیسرے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اعظمی صاحب نے فرمایا کہ معاشی خوشحالی کے لیے عدل وانصاف سے کام لیں۔زراعت اور تجارت میں برکت ہے۔اشاعت اسلام میں تاجروں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ سچا اور امانت دار تاجر انبیا،صدیقین اور صالحین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔مزید فرمایا کسی بنجر زمین کو زرخیز کرنے کا ثواب اگر معلوم ہوجائے تو روئے زمین پر کوئی بھی جگہ بنجر نہ رہے۔اگر عدل وانصاف کی بنیاد پر تجارت کی جائے تو آج بھی فروغ اسلام میں تجار اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔محققانہ گفتگو پیش کرتے ہوئے علامہ اعظمی صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اخلاقی،معاشی،آئینی،سیاسی،اقتصادی سماجی اور تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنائیں،اسلامی تشخص کو برقرار رکھیں اور فرامین خدا ورسول کے عین مطابق زندگی گزاریں۔

علامہ قمرالزماں اعظمی صاحب کے بعد داعی کبیر حضرت علامہ محمد شاکر نوری صاحب (امیر سنّی دعوت اسلامی) نے قرآن کے روحانی،اخلاقی،عملی اور تربیتی پہلوؤں کو اجاگر فرمایا۔آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کا مسلمان نماز کی پابندی،روزوں کے اہتمام،زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج سے فراغت کے بعد بھی گناہوں میں مبتلا نظر آتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کی روشنی میں زندگی گزارنا بند کردیا ہے۔ہم نے قرآن کریم کو انتقال کے بعد ایصال ثواب کے لیے پڑھی جانے والی، جہیز میں دی جانے والی ،مکان میں برکت کے لیے رکھی جانے والی فضیلت کی کتاب سمجھ رکھا ہے۔یعنی کہ قرآن مقدس کو عمل کی بجائے محض ثواب کی کتاب تصور کرلیا گیا ہے۔جب تک مسلمانوں کی زندگیوں میں قرآن کریم کی

عملی تصویر نظر آتی تھی اس وقت تک مسلمان ہر محاذ پر کامیاب وکامران تھے۔امیر سنّی دعوت اسلامی نے ایک اہم پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایاکہ بعض لوگ قرآن مقدس کو محض سائنسی حقائق ونظریات کو بیان کرنے والی،ریسرچ کی دعوت دینے والی اور نت نئی ایجادات کی طرف راغب کرنے والی کتاب کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ مذکورہ باتوں کے ساتھ قرآن کریم کے روحانی پہلوؤں کو بھی اُجاگر کیاجائے جنھیں پڑھ کر ایک بندہ اپنے رب کے قریب ہوتاہے،حلال وحرام میں امتیاز کرتا ہے اور اپنی زندگی کو احکام قرآن کی روشنی میں گزارنے کا ارادہ کرتاہے۔موجودہ دور میں انسانوں کی اکثریت رزق کی تنگی کا شکار ہے۔اس ضمن میں مولانا موصوف نے کلام الٰہی سے سورۂ مائدہ کی اس آیت کی تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:"اور اگر وہ رکھتے توریت اور انجیل،اور جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اترا،تو انھیں رزق ملتااوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے"۔(سورۂ مائدہ،پارہ ۶،آیت ۶۶)اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ وقاری محمد شاکر نوری صاحب نے فرمایاکہ اگر توریت وانجیل پر عمل کرنے کے سبب آسمان وزمین سے خوان نعمت اتر سکتا ہے تو قرآن مقدس پر عمل کرنے پر معاشی تنگی کیوں نہیں دور ہوسکتی۔

۲۴رمئی بروز پیر ۲۰۱۵ء:پیدائشی مسلمانوں سے زیادہ نومسلم اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔موجودہ دور میں مسلمانوں کے دلوں سے قرآن کریم کی عظمت اور احترام کم ہورہاہے۔ایک وہ دور تھاکہ ایک آیت پڑھ کریاسن کر مسلمان غش کھاکر گر جاتا تھا۔جس کا ذکر قرآن مقدس میں یوں آیاہے۔"اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا توان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں۔"(المائدہ،پ ۷،آیت ۸۳) گویاکہ قرآن اس طرح پڑھنا چاہیے کہ آواز سے سوزودرد اور حزن وغم ظاہر ہو اور دوران تلاوت رونا بھی چاہیے۔اگر تلاوت کرنے والے میں اتنی رقت پیدانہ ہوکہ وہ روسکے تورونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ان جملوں کا اظہار پرسٹن(انگلینڈ)میں منعقدہ سنّی دعوت اسلامی کے سہ روزہ سنّی اجتماع کے تیسرے دن داعی کبیر حضرت علامہ محمد شاکر نوری (امیر سنّی دعوت اسلامی)نے برادران اسلام کے جم غفیر میں کیا۔مولانا موصوف نے موجودہ حال زار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایاکہ آج مسلمانوں کو سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ہمارے اکثر معاملات رسمی ہوتے جارہے ہیں۔لوگ میت میں اس لیے شرکت کرتے ہیں کہ نہیں جائیں گے تو برا لگے گا،یہ سوچ کر نہیں جاتے کہ میت کا مجھ پر حق ہے۔ہم نے قرآن کو ہدایت کی کتاب سمجھنے کی بجائے صرف برکت اور ایصال ثواب کی کتاب سمجھ لیاہے۔پیغمبر اسلام ﷺ نے معبود برحق کی بارگاہ میں کبھی کوئی شکایت نہیں کی،مگر قرآن کریم کے متعلق سے غفلت کا ذکر کلام الٰہی میں موجود ہے:"اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب!میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا۔"(سورۂ فرقان،پ ۱۹،آیت ۳۰)جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حوالے سے رب فرماتاہے:

سہ روزہ اجتماع سے پیغام دیتے ہوئے امیر سنّی دعوت اسلامی نے فرمایاکہ ہر شخص پر اپنی اولاد کی تعلیم واصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔جن لوگوں نے اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم اور علوم دینیہ کی طرف متوجہ کیا قیامت کے دن ان کے سروں پر نور کا تاج بھی ہوگا اور وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش بھی ہوجائیں گے اور جن لوگوں نے اپنی اولاد کو غلط راہوں پر لگایا بظاہر ان کو بہت ساری دولت توحاصل ہوگئی،دنیاوی اعزازات بھی مل گئے لیکن ان میں اگر اسلامی تعلیمات کی روح باقی نہ رہی اور وہ بے راہ روی کے شکار ہوگئے تو اس کا خمیازہ خود اولاد کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی بھگتنا ہوگا۔

اجتماع میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے یوم وصال کی مناسبت سے پریزنٹیشن بھی پیش کیاگیا۔تینوں دن اجتماع انٹرنیٹ پر براہ راست نشر کیاگیاجس سے دنیابھر کے لوگوں نے استفادہ کیا۔بلبل باغ مدینہ الحاج قاری محمد رضوان صاحب نے اپنی متاثرکن آواز میں نعت رسول ﷺ پیش کرنے کے ساتھ نظامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔اجتماع میں مولانا محمد یونس مصباحی، مولانا محمد اقبال مصباحی،مولانا محمد ارشد مصباحی مالیگ، مولانا خیر الدین، مولانا سلیم، مولانا سید غلام خواجہ، مولانا نظام الدین مصباحی، مولانا محمد حسن مصباحی، مولانا ایوب، مولانا حافظ جمیل، مولانا کلیم قادری، حافظ شفیع، ودیگر علمائے کرام اور ہزاروں عاشقان مصطفی ﷺ نے شرکت کیں۔صلوٰۃ وسلام اور دعا پر سنّی دعوت اسلامی کے سہ روزہ اجتماع کا اختتام ہوا۔

☆☆☆

خیر و خبر

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا جشن زریں دستار فضیلت و عرس حضور حافظ ملت

۷/۸/ مئی ۲۰۱۵ء بروز جمعرات جمعہ، جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا جشن زریں (گولڈن جبلی) دستار فضیلت و عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا تاریخی پروگرام میدان عید گاہ بی بی باندی صاحبہ میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا، جس میں ملک کے مایہ ناز علمائے کرام، خطبائے عظام، شعرائے اسلام اور جامعہ کے مشاہیر ابنائے قدیم تشریف لائے۔ پہلی شب بعد نمازِ عشا طلبۂ جامعہ نے مظاہرۂ علم و فن کیا۔ قاری اقرار احمد برکاتی استاذ جامعہ ہذا کی دلکش آواز سے تلاوتِ کلام اللہ کے ذریعہ جلسہ کا آغاز ہوا۔ حافظ معصوم رضا استاذ دار العلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ حضرت مولانا فیضان رضا مصباحی دار العلوم فضلِ رحمانیہ پچپڑوا کا بصیرت افروز خطاب ہوا۔ مداح رسول مبارک حسین (جھارکھنڈ) نے خوبصورت آواز میں نغمہ سنجی کی۔ پھر ادیبِ شہیر حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ولولہ انگیز جامع اور وقیع خطاب ہوا۔

دوسری شب بھی قرآن حکیم کی روح افزا تلاوت سے آغازِ اجلاس ہوا، طلبۂ جامعہ نے نعت و منقبت کے گل ہائے عقیدت پیش کیے۔ ابتدائی تقریر مولانا محمد معراج (شراوستی) نے عمدہ انداز میں کی۔ مولانا شمس الہدیٰ ولید پوری نے شان دار انداز میں نعت کے اشعار گنگنائے۔ شہزادۂ حضور عزیزِ ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی تقریر دل پذیر ایسی پر اثر تھی کہ پورا مجمع متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ گیارہ بج کر ۵۵/ منٹ پر قل شریف میں حفاظِ کرام اور قراء نے حصہ لیا اور حضور عزیزِ ملت نے دعا فرمائی۔ واصفِ خیر الانام نسیم حبیبی کلکتہ نے حضور حافظِ ملت کی شان میں منقبت کے اشعار پیش کیے۔ محققِ مسائلِ جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے تقریباً ۱۶/ مسائل کے عمدہ جوابات سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔

اراکینِ جامعہ نے پیرِ طریقت حضور عزیزِ ملت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی بارگاہ میں امام احمد رضا ایوارڈ، سپاس نامہ، شال اور گلہار پیش کیے، نیز حافظِ ملت ایوارڈ، سپاس نامہ حسان الہند الحاج بیکلؔ اتساہی بلرام پور کی خدمت میں پیش کیے۔

اور سیکڑوں کی تعداد میں تشریف لائے علمائے کرام خصوصاً جانشینِ فاتحِ بلگرام شیخ الاتقیا حضور سید اویس مصطفیٰ صاحب دامت برکاتہم، حضور نصیر ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ نصیر الدین عزیزی اور محققِ مسائلِ جدیدہ علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی بارگاہوں میں شال، رومال اور گل پوشی کر کے ان کا استقبال کیا گیا۔ حضور عزیز ملت کے مقدس ہاتھوں جامعہ کے پرنسپل شیخ الحدیث جامع معقول و منقول حضرت علامہ مفتی محمد مسیح احمد قادری کو ایوارڈ، سند توصیف اور شال، نیز جامعہ کے صدر الحاج عبد الہادی عزیزی اور ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر اقبال احمد خاں عزیزی کو سندِ توصیف اور شال سے سرفراز کیا گیا۔ ہارون پٹھان کے صاحب زادوں کی جانب سے حضور عزیز ملت مد ظلہ العالی اور مفتی شہر علامہ محمد مسیح احمد قادری کو حسین طغرے اور تمام علمائے کرام کے لیے قلم پیش کیے گئے۔ حضرت علامہ مختار احمد بہیڑی بریلی شریف اور علامہ مسعود احمد برکاتی مبارک پور، مولانا مقبول احمد گورکھ پور کے عمدہ خطابات سے لوگ محظوظ ہوئے۔ علما و مشائخ کے مقدس ہاتھوں ۲۲/ فاضل، ۱۶/ عالم، ۵۷/ حافظ، ۵۶ قاری کل ۱۵۱ فارغین طلبہ کے سروں پر دستار باندھی گئی اور جبہ زیب تن کرایا گیا۔ حضرت مولانا اشتیاق احمد مصباحی سنت کبیر نگر کی اعلیٰ نقابت نے چار چاند لگا دیے۔

اس گولڈن جبلی کے موقع پر انجمن عزیزی حنفیہ کمیٹی گوونڈ باغ، انجمن غلامانِ مصطفیٰ کمیٹی سرائے پھاٹک اور نوجوانان اہل سنت کمیٹی یتیم خانہ کی جانب سے پانی اور شربت کا انتظام کیا گیا تھا۔ جشن زریں کے انتظام و انصرام میں جملہ ارکان و اساتذۂ جامعہ خصوصاً حضرت مولانا عبد القیوم اعظمی، مولانا محمد شمیم احمد قادری، مولانا امان حسن سیوانی، مولانا شبیر احمد مصباحی، مولانا نور احمد قادری، مولانا محمد مزمل اختر مصباحی، مولانا قاری نوازش علی قادری، قاری فریاد حسین

قادری، قاری اقرار احمد برکاتی، مولانا محمد کلیم خان، مولانا عظمت اللہ، مولانا محمد صغیر، مولانا محمد عرفان، مولانا محمد اشفاق اور مولانا عبد المعید مصباحی وغیرہم نے حصہ لیا اور سندِ توصیف سے نوازے گئے۔ اس تاریخی جلسے میں سیکڑوں علماے کرام اور ہزاروں فرزندان اسلام نے شرکت کی ، خصوصاً حضرت مولانا وصی احمد فیض آبادی، مولانا علی احمد اعظمی، مولانا شیر محمد مہراج گنج، مولانا محمد صادق مصباحی، حافظ یعقوب کشی نگر، مولانا مرتضیٰ حسین بلگرام شریف، مولانا محمد عرفان، قاری ذاکر علی لکھنؤ، مفتی حبیب اللہ نعیمی پچپڑوا، مفتی عبد السلام، مولانا قاری محمد مسلم تلسی پور، مولانا محمد مشتاق احمد قادری مصباحی بیگو سرائے وغیرہم نے شرکت فرمائی۔ سلام ودعا اور تقسیم شیرینی پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

از: شمیم احمد قادری میڈیا سکریٹری، ضلع بلرام پور

ٹانڈہ میں جامعۃ المدینہ فیضان حافظ ملت کا افتتاح

۳۱/ جولائی ۲۰۱۵ء بروز جمعہ ۲/ بجے سے عصر تک

قراءت: محمد شاہد عطاری، نعت شریف: ذیشان عطاری، رضوان عطاری، عقیل عطاری۔

مولانا امتیاز احمد مصباحی ٹانڈہ نے کہا کہ جامعۃ المدینہ کے قیام کا مقصد عالم بنانے کے ساتھ ساتھ ان کو ایسا مبلغ بنانا ہے تاکہ یہ جہاں بھی رہیں نیکی کی دعوت عام کرتے رہیں۔ اور برائیوں سے منع کرتے رہیں، گاؤں گاؤں جاکر نیکی کی دھوم مچاتے رہیں۔ آپ نے فرمایا: حافظ ملت کا فرمان ہے، ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔ زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام۔ امیر اہلِ سنت حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری اور دعوتِ اسلامی دنیا بھر میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کو عام کر رہی ہے۔ ضلع اناؤ سے تشریف لائے مبلغ دعوت اسلامی محمد اویس عطاری نے نعت شریف پیش کی۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پر کے مفتی و استاذ حضرت مفتی محمد نسیم مصباحی نے علما کے فضائل اور مدارس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور فرمایا کہ بڑا عجیب وقت آگیا ہے کہ آج لوگ بات بات پر علما کی تنقید کرتے ہیں، ہمارے بھائیوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ علما کی ہر جگہ ضرورت ہے، آپ کے بچوں کا نکاح، پیدائش کے بعد اذان کون دیتا ہے، عالم کی ضرورت دنیا ہی میں نہیں بلکہ جنت میں بھی پڑے گی۔ علما سے محبت کیجیے، بچوں کو عالم بنائیے تاکہ آپ کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائے، دعوتِ اسلامی آپ کے بچوں کو، آپ کو باعمل بنانا چاہتی ہے، لہٰذا وقت اور مال دونوں کی قربانی دیجیے۔ عرب سے آئے ہوئے مبلغ دعوتِ اسلامی محمد زبیر عطاری نے اپنے بیان میں فرمایا کہ بچوں کو بگاڑنے میں والدین کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ ہم جمعہ میں بچوں کو لے کر جاتے ہیں، بچہ جمعہ کا نمازی بن جاتا ہے۔ اگر ہم پانچوں نماز میں لے جاتے وہ تو وہ پانچوں وقت کا نمازی بن جاتا۔ دنیا بھر میں دعوت اسلامی کا کام کہاں تک پہنچا، مکمل روشنی ڈالی۔ صلاۃ و سلام کے بعد مفتی ابرار احمد کی دعا پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

اس افتتاحی پروگرام میں جلال پور، شہر اعظم گڑھ اور مبارک پور کے ذمہ داران اور مبلغین حضرات نے شرکت فرمائی۔ مفتی ابرار احمد مصباحی، مفتی عماد الدین مصباحی، مدرسہ ندائے حق جلال پور کے منیجر حاجی قمر احمد اور حاجی ریاض الحق، اعظم گڑھ شہر سے علی شاد بھائی، مبارک پور سے حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی منیجر ماہ نامہ اشرفیہ، حاجی محمد جابر نے شرکت فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

ہند کابینہ کے ذمہ دار جناب ابو طلحہ عطاری مبلغ دعوت اسلامی نے اپنے رفقا کے ساتھ آنے والے مہمانوں کا استقبال کیا۔

از: دعوت اسلامی ٹانڈہ

جشن یوم رضا کے موقع پر الرضا اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی کا انفرادی اقدام

الرضا کے ۱۷ویں جشن یوم رضا میں پورن پور کے علما، حفاظ اور ائمہ مساجد کو متحد کرنے کی کوشش، درجہ تین میں قرآن پاک مکمل کرنے والے طلبہ کو سند سے نوازا گیا

پورن پور (پیلی بھیت، یوپی) کی اہم تعلیمی و تربیتی درس گاہ الرضا اسلامک جونیئر ہائی اسکول اور جامعۃ البنات کی جانب سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کے یوم ولادت (۱۰ شوال المکرم) کے موقع پر امسال ۱۷واں جشن یوم رضا منایا گیا۔ امسال اس جشن کو دو اجلاس میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا اجلاس ۹ شوال المکرم بعد نماز عشا ہوا جس میں شہر پورن پور کے علماے کرام، حفاظ کرام اور ائمہ مساجد کی ایک اہم نشست "پورن پور میں اہل سنت کی شیرازہ بندی کیسے ہو" کے عنوان سے منعقد ہوئی۔ اس اہم اجلاس کا مقصد یہ تھا کہ پورن پور کے تمام علما، ائمہ اور حفاظ کرام کو مل جل کر رہنے، شہر کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچانے اور دماغوں میں پل رہی بدگمانیوں

کاازالہ کیاجائے۔اس اجلاس کی صدارت مولانامحمد عامر خاں نے فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ مولاناناظم رضامصباحی، مولانا نور محمد حسنی، مولانا ذیشان ،حافظ اشفاق تابش قادری،حافظ قمر محبوب، مولانا محمد یعقوب برکاتی ، حافظ محمد سلیم خاں شیری، محمد میاں قادری اور حافظ فرقان نے موضوع سے متعلق بڑی اہم گفتگو فرمائی۔ مولانانور محمد حسنی قادری نے فرمایاکہ فروعی وعلمی اختلافات کو مخالفت نہ بنایاجائے، تنگ نظری ختم کی جائے اورذہنوں میں وسعت پیدا کی جائے تبھی ہمارے درمیان مودت واتحاد ممکن ہے۔مولانانے ماضی قریب کے اسلاف کرام کے علمی ونظریاتی اختلافات کی روشنی میں فرمایاکہ اختلافات کے باوجودان کے درمیان کبھی چپقلش نہیں رہی وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آتے رہے۔ہمیں ان حضرات کورول ماڈل بناناہوگا۔

مولاناناظم رضامصباحی نے فرمایاکہ اپنے پیر سے محبت ضروری ہے مگراس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کے پیر کی توہین کی جائے۔سارے مشائخ ہمارے سر کے تاج ہیں اس لیے سب کاادب واحترام کرناہمارافریضہ ہوناچاہیے۔انہوں نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہاکہ اکثرایساہوتاہے کہ دیگر سلاسل کے لوگ ہم سے نالاں رہتے ہیں اور ہماری غلط حرکتوں کی وجہ سے وہ امام احمد رضاقادری علیہ الرحمہ کی شان میں کچھ نازیباالفاظ کہہ دیتے ہیں ،ہمیں ان کے ساتھ محبت سے پیش آناہوگااوران کے سامنے امام احمدرضاکی قرارواقعی حیثیت اجاگر کرناہوگی کیوں کہ زیادہ تر لوگ کم علم اور بے پڑھے لکھے ہیں ان کو جیساکہہ دیاجاتاہے وہ ویسامان لیتے ہیں۔اگرانہیں محبت سے سمجھایاجائے توکوئی وجہ نہیں کہ امام احمد رضاکے تعلق سے ان کے اذہان صاف نہ ہوں۔

حافظ اشفاق صاحب نے کہاکہ جب تک علمااورائمہ اور حفاظ کے درمیان غلط فہمیاں دور نہیں ہوں گی تب تک اتحادواتفاق کی توقع فضول ہے۔عوام ہمارے قول وعمل کو دیکھتے ہیں ہمارے شہر کی فضااسی وقت سازگار ہوسکتی ہے جب تک شہر کے نمائندہ حضرات آپس میں باہم شیروشکرنہ ہوجائیں۔حافظ قمر محبوب نے کہاکہ بہت سارے حضرات ہمارے تعلق سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ دیگر سلاسل کے بزرگوں کاذکر اس عقیدت سے نہیں کرتے جس طرح اعلیٰ حضرت کاکرتے ہیں ۔اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے موصوف نے ایک اہم تجویز پیش کرتے ہوئے کہاکہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی بزرگ کاعرس ہوتاہے اس لیے ہرماہ میں بزرگوں کے نام سے محافل کاانعقاد ہوناچاہیے اس کے لیے بڑے بڑے اجلاس کی ضرورت نہیں،مساجدیامدارس میں چھوٹی چھوٹی محافل بھی منعقد کی جاسکتی ہیں۔جناب محمد میاں قادری نے کہاکہ شہر کے عوام کو مستند پیر سے بیعت کرایاجائے۔

ان خطابات سے قبل الرضااسلامک جونیئرہائی اسکول اور جامعۃ البنات کے بانی ومہتمم جناب صابر علی رضوی نے افتتاحی خطاب کرتے ہوئے اس اجلاس کامقصد،شہر کے بگڑتے ہوئے حالات اوراتحاد کی اہمیت پر نہایت پر مغزاور پر سوز خطاب فرمایا۔ اس اجلاس میں خاص طور پر مولاناصادق رضا مصباحی (ممبئی)، مولانا سراج احمد مصباحی ، قاری عبدالمبین ،حافظ ندیم وغیرہ نے شرکت فرمائی ۔اجلاس میں شہر کے متعدّدعلما،حفاظ اورائمہ مساجد نے شرکت فرمائی اوراس انوکھے اقدام کوقابل قدر قرار دیا۔ اس اجلاس کی ذمے داری مولانادانش رضانے کی۔

دوسرااجلاس ۱۰شوال المکرم کوالرضااور جامعہ کے طلبہ اور طالبات پر مشتمل تھا۔طلبہ وطالبات نے امام احمد رضاکی بارگاہ میں مناقب اورتقریروں کے ذریعے خراج عقیدت پیش کیا۔اس اجلاس کو کامیاب بنانے میں الرضاکے استاذاحمد رضافہر قادری نے کلیدی کرداراداکیااوردوسرے استاذشفیق صاحب نے علم اوراخلاص کی اہمیت پر بہترین گفتگو کی۔واضح رہے کہ جشن یوم رضاکے موقع پر ہر سال درجہ تین میں قرآن پاک مکمل کرنے والے طلبہ اور طالبات کو سند سے نوازاجاتاہے چنانچہ امسال بھی ۱۰طلبہ اور ۱۸ طالبات کو سندقرآن سے نوازاگیا۔اس اجلاس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مولاناصادق رضامصباحی ممبئی نے شرکت فرمائی ۔ اخیر میں جناب صابر علی رضوی نے بچوں کونصیحتیں فرمائیں ، اس کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضاکی روح مبارک کوایصال ثواب کیا۔

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

مولانامحمد حارث مصباحی صاحب

مدرسہ عربیہ فیض العلوم پیپرابنگڑھ، پوسٹ امواباس

وایاجاروا،ضلع بلرام پور(یوپی)

9919309724/9198476391